

UNIVERSAL  
LIBRARY

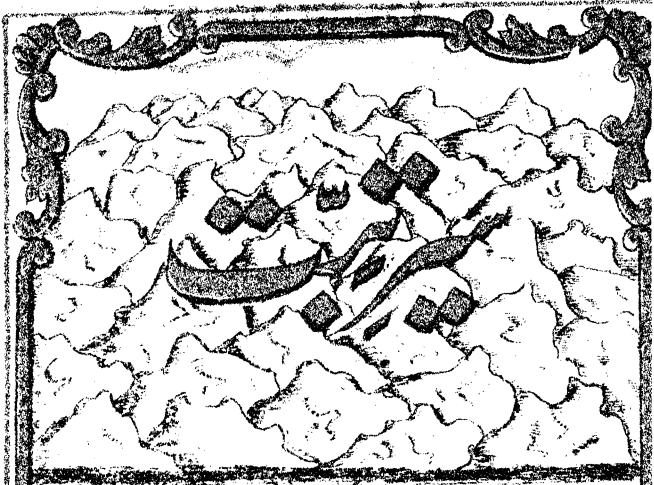
**OU 188895**

UNIVERSAL  
LIBRARY









Checked 1978

جس کو

موسیٰ انیس احمد صاحب سابق طالب علم مدرسہ العلوم علی گڑھ

نے

یورینڈیم شاہ کی تصنیف "فولر ایرین ان تربیت" اور میں ترجمہ کیا

اور ۱۹۰۹ء میں

شیر علی اکرام منجنا ایڈیٹر سالانہ مخزن و عصمت

مخزن پریس وہلی میں چھپوا کر شایع کیا



# بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ حَامِدًا وَّ مُصَلِّیًّا دیباچہ

تبت کی تاریخ اور وہاں کے باشندوں کے تدریجی حالات اور مذہبی رسوم سے نہ صرف ہندوستانی بلکہ یورپین لوگ بھی عام طور سے ناواقف تھے۔ اکثر سیاحوں نے اس دلچسپ ملک کی سیر کے تھوٹے بہت حالات قلمبند کئے ہیں۔ مگر وہ محض چند روزہ سیاحت کا نتیجہ ہیں ایک اجنبی سیاح غیر ملک میں ہفتہ دو ہفتہ سیاحت کر کے حسب قدر واقفیت ہم پہنچا سکتا ہے خاص ہے +

اہل یورپ کو اس عجیب و غریب ملک کے مفصل حالات معلوم کرنے کا ذہن سے اشتیاق تھا لیکن چونکہ باشندگان تبت باطنع تنہائی پسند اور بوجہ پولیٹیکل امور اہل یورپ کے سیاحوں کا اپنے ملک میں داخل ہونا پسند نہیں کرتے اور اس میں طرح طرح کی رکاوٹیں پیدا کرتے رہتے ہیں اسوجہ سے پورے پورے طور سے کسی سیاح کو کامیابی نہیں ہوتی۔ میرے فاضل دوست رویرینڈ احمد شاہ جنہیں علمی معاملات سے خاص دلچسپی اور تبت تشریف لیگئے تھے اور کمال ہم برس تک انہوں نے تبت میں مقیم رہ کر نہایت قابل قدر واقفیت ہم پہنچائی۔ اگرچہ وہ بھی مثل دیگر سیاحوں کے لاسپاہر تخت تبت کی سیر سے محروم رہے جب اکتوبر ۱۸۹۵ء میں پادری صاحب موصوف تبت سے واپس آکر انگلستان تشریف لے گئے تو وہاں کے لوگوں نے آپ کی اس جدید تحقیقات سے فائدہ اٹھانے اور تبت کے حالات پر آپ کے لکچر سننے کا اشتیاق ظاہر کیا چنانچہ آپ نے اس ضمنوں پر ایسی کتب

مینیجیسٹر کالج آکسفورڈ۔ دائیں درتہ لندن۔ نیچل ہسٹری سوسائٹی آکسفورڈ اور  
 والی۔ ایم۔ سی۔ ایسٹیشن آکسفورڈ میں مختلف اوقات میں لیکچر دئے۔ اور مختلف مناظر  
 کی تصاویر دکھائیں جن کو دیکھ کر وہ لوگ ایسے محفوظ ہوئے کہ وہاں کے مفصل حالات کو  
 کتابی صورت میں قلب بند کرنے پر آپ کو مجبور کیا۔ مشاہیر انگلستان کے اصرار پر مجبور  
 ہو کر پادری صاحب نے اپنے روزنامچے کے ذریعہ سے اس کتاب کو مرتب کیا اور اس  
 میں ۳۸ تصویریں اہل تبت کے پوشاک۔ جلوس۔ شادی۔ ضیافت۔ زیور۔ جہاز  
 اسلحہ۔ پنج و تاشے وغیرہ کی دیکر کتاب کو ایسا دلچسپ بنا دیا کہ اُس کے ملاحظہ سے ملک  
 کے تمدن کا صحیح فوٹو آنکھوں کے سامنے پھر جاتا ہے +

اس بنیظیر کتاب کو بنارس کی مشہور لازرس کمپنی نے سلسلہ میں شائع کیا اور  
 ایک با تصویر جلد پرنس۔ اور پرنس آف ولز کے بنارس میں تشریف لانے کی یادگاریں  
 مروج کو بطور نذر کے پیش کی جسے شاہزادہ صاحب موصوف نے نہایت شکر یہ کیا ساتھ  
 قبول کیا۔ کتاب مذکور یورپ اور امریکہ میں بہت مقبول ہوئی اور اسپر نہایت عمدہ ریویو  
 کئے گئے۔ چنانچہ حال میں نیویارک امریکہ کے مشہور اور معتبر با تصویر انگریزی اخبار،  
 کرسمین سیرلہ نے اپنی اشاعت مورخہ فروری ۱۹۰۹ء میں ایک نہایت جامع ریویو  
 شائع کیا ہے جس میں کتاب کی چیدہ چیدہ تصویروں کی نقل بھی دی ہے۔ میں نے سیر پور  
 کے قیام کے زمانہ میں اس کتاب کو دیکھا اور مجھے چند احباب نے اس کتاب کے ترجمہ  
 کرنے پر آمادہ کیا۔ پادری صاحب سے ذکر آیا انہوں نے نہ صرف کتاب کے ترجمہ  
 کرنے کی اجازت دی بلکہ مناسب امداد دینے کا بھی وعدہ کیا۔ کسی انگریزی کتاب  
 کا اردو میں ترجمہ کر دینا بظاہر اُن لوگوں کو نہیں کہی ایسے کام سے سابقہ نہیں پڑا۔ اس  
 معلوم ہوتا ہے۔ لیکن جن لوگوں نے اس راستہ میں قدم رکھا ہے انہیں اس کا بخوبی  
 علم ہو گا کہ فی الحقیقت کسی انگریزی کتاب کا صحت کے ساتھ ایسا ترجمہ کرنا کہ نہ صرف

مطلب اور معنی ہو بہو ادا ہو جائیں بلکہ ترجمہ میں اصل مصنف کا زور قلم بھی قائم رہے اور اردو کے محاورے اور زبان کی خوبی و لطافت کا بھی لحاظ رہے نہایت مشکل کام ہے اور اسی وجہ سے میری ہمت ترجمہ کرنے کی نہ پڑتی تھی لیکن دوستوں کے اصرار سے مجبور ہو کر ترجمہ پر قلم اٹھانا ہی پڑا اور آخر کار «السَّعْيُ جَنِّي وَلَا تَأْتُمُّهُ مِنِ اللَّهِ تَعَالَى» خدا کے فضل سے یہ کام اختتام کو پہنچا +

اگرچہ میں نے حتی الامکان اردو کے محاوروں اور خوبی زبان کا خیال رکھا ہو لیکن ترجمہ کی فصاحت و بلاغت کا دعویٰ نہیں کیا جاسکتا بلکہ صرف اپنی لٹریچر کی زبان میں مصنف کے اصل مضمون کو صحیح طور سے ادا کرنے کی کوشش کی ہے۔ ترجمہ کو دلچسپ بنانے کی غرض سے مختلف مقامات پر کچھ نوٹ اور اخیر میں ایک ضمیمہ "تبت میں اسلام" اضافہ کیا گیا ہے جو ائمہ سے کہ خاص لچسپی سے دیکھا جائیگا + میں اپنے فاضل دوست رویرینڈ احمد شاہ کا شکر گزار ہوں جنہوں نے ترجمہ میں جا بجا صحت کر دی اور اپنے دلی کرم فرمائے منشی عبد السجمان صاحب ناظر کلکٹری ہیر پور اور اپنے برادر کرم منشی سعید احمد شاہ صاحب مصنف حیات صالح و حیات خسر وغیرہ وغیرہ کا بھی تہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے اس ترجمہ پر نظر ثانی کرنے میں کامل امداد فرمائی +

انیس احمد

# فہرست مضامین

- باب پہلا . . . . . مختصر تاریخی حالات -
- دوسرا . . . . . گورنمنٹ -
- تیسرا . . . . . ملک -
- چوتھا . . . . . تبت کے لوگ -
- پانچواں . . . . . حرفہ -
- چھٹا . . . . . پیدائش -
- ساتواں . . . . . شادی -
- آٹھواں . . . . . معاہدہ -
- نواں . . . . . عورت -
- دسواں . . . . . تیوٹار اور کھیل تماشے -
- گیارہواں . . . . . عجیب و غریب رسومات -
- بارہواں . . . . . اہل مغرب کو تبت میں آنے کی کیوں مانگت ہے؟
- تیرہواں . . . . . تبت اور بڑھندہ مذہب کی تاریخ -
- نہیم . . . . . تبت میں اسلام -

# باب اول مختصر تاریخی حالات

سنہ عیسوی کے ساتویں صدی سے پہلے تبت کے تاریخی حالات پر تاریکی چھانی ہوئی ہے۔ اس کے بعد سے یہاں کی تاریخ پر کچھ روشنی پڑنی شروع ہوتی ہے۔ اور قدیم مورخین کی تحریروں سے صرف اس قدر پتہ چلتا ہے کہ اُس زمانہ میں یہاں کے باشندے مردم خور تھے۔ ٹوٹے ٹوٹکے کے قائل اور بھوت پریت کی پرستش کرتے تھے جادوگری میں کمال پیدا کرنے اور اپنے خیالی اور وہی معبودوں کے غضب کو ٹھنڈا کرنے کے لئے انسانی قربانی کیا کرتے تھے۔ سنہ ۱۰۰ میں یہاں ایک بادشاہ کی حکومت قائم ہوئی جس نے رفتہ رفتہ تمام ملک پر قبضہ کر لیا۔ ایک روایت کے مطابق یہ بادشاہ سرزمین ہند کا ایک شاہزادہ تھا جو اپنے دشمنوں کے خوف سے بھاگ کر اس ملک میں پناہ گزین ہوا تھا۔ اس ملک کو اب تک اہل تبت سرزمین بدھ سے موسوم کرنے میں، لیکن یہ روایت باشندگان تبت کی طبعاً معلوم ہوتی ہے۔ قرین قیاس یہ ہے کہ یہیں کا کوئی مقامی سردار خانہ جنگیوں یا جنگی لڑائیوں میں اپنی بہادری عقلندی اور مددگری سے کامیاب ہو کر یہاں کے چھوٹے

نوٹ۔ ایک مسلمان سیاح نے جو سو اگ پشہ اور کئی مرتبہ تبت کی سیر کر چکا ہے۔ بیان کیا کہ اس زمانہ میں بھی تبت کے لوگ جادوگری میں خاص کمال رکھتے ہیں + (مترجم)

چھوٹے فرمانرواؤں پر غالب آگیا تھا۔ جسے بعد میں متعدد فرقوں نے اپنا بادشاہ تسلیم کر لیا۔ اور اس طرح اس سلطنت کا آغاز ہوا۔ جس کا وجود دسویں صدی مسیحی استعمار کے ساتھ باقی رہا۔ اس وقت کے نظام سلطنت کے متعلق ہماری معلومات محدود ہیں۔ صرف اتنا پتہ چلتا ہے کہ ابن بادشاہ کے عہد حکومت میں ملک سرسبز اور شاداب تھا۔ اس نے سلطنت چین سے براہ راست دوستانہ تعلقات قائم کئے۔ جس کا ایک مفید نتیجہ یہ ہوا کہ علوم ہندسہ اور طب کی اشاعت جس کا چرچہ چین میں پہلے سے تھا۔ یہاں بھی ہو گئی۔ اس بادشاہ کے بیٹے کا نام سرن سان گینپو (Sarn San Ganepo) تھا۔ جس کے عہد میں بدھ مذہب کا آغاز ہوا۔ پہلے تو وہ گوتم کے عقائد سے منحرف تھا۔ لیکن اپنی دو میگمات کے اثر سے جنہیں بدھ کے ساتھ بدرجہ غائت ارادت تھی۔ اپنا مذہب تبدیل کیا۔ اور ان کے مشورے اور ترغیب سے اس نے اپنے وزیر تھومی سمبوتھا (Thamma Sambutha) کو بدھ مذہب کی تعلیم اور انکی مقدس کتابوں پر دسترس حاصل کرنے کے لئے ہندوستان بھیجا۔ تھومی سمبوتھا

نوٹ۔ الفنسٹن صاحب کی تحقیقات کے بموجب تبت میں بدھ مذہب کا آغاز ازمنہ ازمانہ سے بہت پہلے ہو چکا تھا۔ چنانچہ وہ اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں کہ ہندوستان میں اس مذہب کی دہم دھام راہب اشوک کے زمانہ سلطنت میں قریب (۲۵۰) برس قبل مسیح کے ہوئی اور اس راہب کے داعظوں نے اس مذہب کو اسی صدی کے اخیر میں لنکا میں رائج کیا۔ غالباً تاتارا اور تبت میں وہ اس زمانہ سے پیشتر مروج ہوا۔ لیکن چین میں ۶۲۵ء تک جبکہ وہ ہندوستان سے سیدھا واپس پہنچا رائج نہیں ہوا۔ اور ۱۳۸۶ء تک بخوبی قائم نہیں ہوا + (مترجم)

نے اس حکم کی تعمیل نہایت سرگرمی کے ساتھ منظور کی۔ یہ شخص واپسی میں اپنے ساتھ شمالی ہندوستان کے حرف تہجی بھی لے گیا تھا۔ جس کے نمونہ پر اُس نے تہجی حروف تہجی وضع کئے۔ اُس نے اپنی پُرزور تحریرات کے اثر سے بڑھ مذہب کی خوب اشاعت کی۔ اور جو مشکلات اس اہم خدمت کے انجام دینے میں اسے پیش آتی تھیں۔ اُن میں خود بادشاہ امداد دیتا اور اُس کا ہاتھ بٹاتا تھا۔ اُس کی دینی خدمات کا یہ اثر ہوا کہ اس مذہب کے پر سیزگار لوگ اُس کو "اڈنا" ماننے لگے.....

سرن سان گپو، محض بڑھ مذہب کا اشاعت کرنے والا ہی نہ تھا۔ بلکہ ایک جبری سپاہی بھی تھا۔ مغربی چین پر اُس کی متواتر فوج کشی نے جبکہ ساتھ فتوحات کا سلسلہ بھی شامل تھا۔ سلطنت چین کو مجبور کیا۔ کہ بزرگ شادی کے اُس سے سلسلہ موڈ قائم کر کے روزمرہ کی فوج کشی سے نجات حاصل کرے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے۔ کہ اُس نے ہمالیہ کے دوسری جانب کا حصہ بھی تسخیر کر لیا تھا۔ اپنے وزیر کی طرح سرن سان گپو بھی مذہبی خلافت کا مرتبہ حاصل کر لیا اور بدھ کا اڈنا سمجھا جانے لگا۔ اس کی آئندہ نسلوں نے اپنے مورث کی صرف جنگی بہادری کا ترکہ تو ضرور حاصل کیا لیکن مذہبی جوش سرد پڑ گیا۔ بیٹے نے باب کی طرح چین کے ملک پر متواتر حملے کئے۔ جس سے چینیوں کو اس حد تک براؤر خستگی ہوئی کہ انہوں نے

نوٹ۔ عربی اور فارسی تاریخوں سے پتہ چلتا ہے کہ ۶۴۹ء میں خلیفہ منصور نے چائنا عرب کی جمعیت سمت تک بادشاہ چین کی ملک کے واسطے پاشدگان بیت کی خدمت کے لئے جو چینیوں کے دشمن تھے روانہ کی تھی۔ یہ چاروں ہزار عرب بعد کو ملک چین ہی پر پہنچے (مترجم)



اس نے ہندوستان سے جو بدھ کی تعلیم کا خاص مرکز تھا۔ اس مذہب کے بڑے بڑے پیشواؤں کو تبت میں مدعو کیا۔ جس میں پدم تو مہاراکپو (Padma Lambhara) بھی داخل تھا۔ یہ نامور شخص دربار تبت میں ستم۶ میں آیا تھا۔ پدم تسنجر کے عمل میں کامل مہارت رکھتا تھا۔ وہ سحر و جادو میں یگانہ آفاق اور شہیدہ بازی میں جنکے فریب سے بھوت پریت اتارے جاتے ہیں کامل دستگاہ رکھتا تھا۔ اس نے یہ تعلیم ہندوستان کے ایک مشہور علوم فلسفہ کی درس گاہ میں حاصل کی تھی اس نے تبت میں ہندوستان کے مروجہ عقائد کی اشاعت کرنے پر اکتفا نہ کیا بلکہ مرقع اور محل کا مناسب اندازہ کر کے بدھ مذہب کے معتقدات میں بہت کچھ اوہام پرستی اور تخیلات کی رنگ آمیزی کر دی۔ ان اعتقادات کو دخل کر دینے سے بدھ مذہب کا یہ طریقہ باسانی یہاں رائج ہو گیا لاما کے ممتاز عہدہ کی بنیاد ڈالنے کا شرف اسی کو حاصل ہوا۔ تبت میں پہلی خانقاہ اسی نے قائم کی۔ اور تبت کی بدھ مت کو جس قطع دیر کا جامہ اُس نے پہنایا اسی رنگ دروہ میں اب بھی کہ گیارہ بارہ سو برس کا زمانہ گزر گیا ہے۔ نظر آتا ہے۔ تھی سرن دیت سن نے اُس کی کوششوں میں اس کی پوری پوری تقلید کی۔ اور رفتہ رفتہ سارے ملک میں خانقاہ

**تعمیر نوٹ۔** اس مذہب کو پھیلا یا بلکہ دُر دُر تک اُظھ بھجھا کر مذہب کی اشاعت کی سہ چوتھم ہزار بدھ پگانو مدانہ کھانا دیتا تھا۔ اُس نے پانچ چیزوں کے ذریعہ بدھ مذہب کی تقویت پہنچائی کہ (۱) برہم پوہم جلیہ منفقہ کئے۔ (۲) بدھ مذہب کے اہل پیروں کو کندہ کر کے مختلف مقامات پر نصب کئے (۳) مذہب کی پانچ گوی پر نظر کر کے اسی وقت قائم کیا۔ (۴) اپیشکون کو ذریعہ سوا س کو اصول پھیلائے۔ (۵) بدھ مذہب کے اصول و قواعد کو ایک شد کتاب ترتیب دئی۔ اُس نے مرتے وقت تمام راج دھرم ارتھ۔۔۔ ہوں کو چن کر دیا۔ (مترجم)

قائم ہو گئیں۔ اس فزائے مذہب بڑھ کا جانشین اس کا بیٹا ہوا۔ جو بڑا شہسوار  
 (Socialist) تھا اس کی جدوت بلع نے دل میں یہ دلولہ پیدا کیا کہ  
 رعایا میں افلاس اور امارت ایک سطح پر کرجائیں۔ تاکہ غربت اور معمول  
 کا امتیاز باقی نہ رہے۔ امر اولیٰ دولت کا حصہ چھین کر غربا کو دیدیا گیا۔  
 جس کا نتیجہ وہی پیا ہوا کہ لوگ اپنی اصلی حالت پر پھر عود کرنے لگے۔ دوبارہ  
 اس کا تجربہ پھر کیا گیا۔ لیکن ویسی ہی ناکامیابی ہوئی۔ اس کے جانشینوں  
 کے حالات میں کوئی بات دلچسپ اور قابل تذکرہ نہیں ہے۔ کئی پشتوں کی  
 صلح کن سلطنت کے بعد جھگڑے شروع ہوئے اور سن ۱۷۵۷ء میں ملک چند  
 حصوں پر منقسم ہو گیا۔ تھوڑے عرصہ میں جا بجا متدبیرا اختیار حکومتیں قائم  
 ہو گئیں۔ اس جنگ و جدال کے زمانہ سے قبل بدھوں کو سخت ایذا پہنچا  
 گئی۔ جس کی وجہ یہ تھی کہ اکبر بادشاہ کا دوسرا بیٹا اس مذہب سے نہایت  
 تعصب رکھتا تھا +

یہ فتنہ اور فساد پوری ایک صدی تک قائم رہے۔ شاہی خاندان  
 کا ہر جانشین اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ بناتا رہا۔ یہاں تو یہ کیفیت تھی  
 اور مغرب میں کچھ ایسے واقعات کا ظہور ہوا جس سے ملک کے لئے ایک گورنٹ  
 کے وضع ہونے میں بڑی مدد ملی دو چھوٹے چھوٹے فرمانرواؤں نے بدھ مذہب  
 میں از سر نو جان ڈالی۔ یہ دونوں بھائی تھے۔ انہیں کے ہم عصر خاندان کے  
 ایک جانشین نے گیارہویں صدی میں مشہور ہندوستانی گم آلیشا کو اپنے دربار  
 میں طلب کیا۔ اور اس کی سرپرستی فرمائی۔ مالا کا (Malala) *Gum alisha*  
 اعزاز و اقتدار روز افزوں ترقی کر رہا تھا۔ امر اس سلطنت اور شاہزادوں کو  
 آپس کے جھگڑوں سے اتنی فرصت نہ تھی کہ وہ مذہب کے اس مقدس گروہ کی

طرف متوجہ ہونے لگے آئینا بھی ایسے وقت سننا میں موجود ہوا جب کہ مذہبی سلطنت کی بنیاد کے لئے زمین تیار نہ تھی اس لئے کاسنوں کا ایک جدید طریقہ قائم کیا۔ جس نے ملک کے فرمانرواؤں اور حکمرانوں کے دلوں میں جگہ پیدا کر لی اور ہر خاص و عام پر ان کا عجیب اثر پڑا۔ اس جدید فرقہ کو دم با (Kadon) کی ہر لغزیزی کی وجہ سے دو نئے گروہ پیدا ہو گئے۔ سکیا پا (Sakya) اور گلیو پا (Kagyupa) سکیا پا کا فرقہ رفتہ رفتہ مقابل فرقہ پر بھی سبقت لے گیا۔ اور جب قبلانی خان چین کے تخت پر بیٹھا تو اس نے ساکیا کے بزرگ ترین لاما کو جو ساکیا پنڈت کے نام سے مشہور تھا طلب کیا یہ غیر دربار چین میں بارہ برس رہا۔ قبل واپسی شاہ چین نے اس کو ملک کے ایک وسیع حصہ پر اختیارات کئی عطا کر کے تبت کی دینی جماعت کا سردار بنا دیا۔ ان عنایات خسرانہ کے معاوضہ میں ساکیا۔ اور اس کے جانشین سلاطین چین کی تخت نشینی کے موقعہ پر برابر نذر و نیاز پیش کیا کرتے تھے۔

نوٹ - خان عظیم قبلانی خان یا تو بلا تاقان مشہور مغل فاتح چنگیز خان کا پوتا اور چین کا نہایت مشہور اور زبردست بادشاہ تھا ۱۲۵۹ء میں تخت نشین ہوا۔ اور ۱۲۹۵ء میں ۸۵ برس کی عمر میں مر گیا۔ اس نے کل چین کو فتح کر لیا تھا۔ چین کے مورخ اس کے عہد سلطنت کی بہت تعریف کرتے ہیں چین کی سب سے بڑی اور مشہور نہر جس کی موجودہ لمبائی (۶۵۰ میل ہے) اسی بادشاہ نے ۱۲۵۳ء میں بنوائی تھی۔ اس نہر چین میں ہوئی ہو قوم کے لئے جس نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ ایک شاہی مدرسہ جاری کیا۔ اسکے خزانہ کا افسر سیّد اجل بخاری ایک مسلمان تھا۔ اور بھی مسلمان سلطنت کے بڑے بڑے عہدے اور منصب رکھتے تھے +

(مترجم)

لیکن شاہان چین نے اس اندیشہ سے کہ یہ نئی طاقت آئیدہ ان کے لئے وبال  
جان نہ ہو جاوے قصداً دوسرے فرقوں کی یہی دلہی شروع کر دی۔ انہیں  
سے ایک تو وہی لگیو پاپا کا فرقہ اور دوسرا اتشار (کا اصلاح  
یا فتح فرقہ تھا۔ ستر برس تک (۱۲۴۰ء لغایت ۱۳۰۸ء) وہ بفراعت اپنے اختیاراً  
عمل میں لاتے اور دوسرے فرقوں پر مظالم کرتے رہے۔ ان کے رقیب بھی  
غافل نہ تھے۔ وہ آہستہ آہستہ مگر استقلال کے ساتھ اپنی طاقت کو بڑھاتے  
جاتے تھے۔ جنرل پھاگ موڈو (Phug Modu) کا پیدا ہونا تھا کہ ممالک  
کی صورت بدل گئی۔ لانا کی طاقت بہ حیثیت بادشاہ ہونے کے کچھ دنوں کے  
لئے کمزور ہو گئی۔ اور پھاگ موڈو نے ایک طویل جنگ و جدال کے بعد ربا  
چین کی امداد سے ایک نئی سلطنت قائم کر دی جس نے مدتوں تبت پر حکمرانی  
کی (۱۳۴۰ء یعنی اسی زمانہ میں جبکہ مشہور یوشی کیمو (Yoshi Kumpo)  
کی خانقاہ تعمیر ہوئی۔ ننگ خاندان (Nang) کے سلاطین جن کی  
حکومت چین میں منگول کے بعد ہوئی۔ پھاگ موڈو کے اولاد کے تخت نشین  
ہونے سے کچھ تعرض نہیں کیا۔ بلکہ انہوں نے آٹھ بڑی بڑی خانقاہوں۔  
کی یہی دستگیری۔ جبکہ مینچو (Manchu) سردار اپنی طاقت چین میں مجتمع  
کر رہے اور شاہان ننگ (Nang) سے جنگ و جدال میں مشغول تھے

نوٹ: اس خانقاہ کا حال تاریخ جدیدیہ میں اس طرح لکھا ہے "اس خانقاہ کا طول و عرض اسی سے  
بہمنجا چاہئے۔ کہ اس کی چار دیواری کے اندر چار پانچو مکان فقط گوشائیں لوگوں کے رہنے اور عبادت  
کے واسطے بنے ہوئے ہیں۔ اور لانا گو کی دولت سر کے کئی ہزار کے کس کے اندر واقع ہیں جو انواع و اقسام  
کے تحفیات اور پیش بہاواہرت سے آراستہ و پیراستہ ہیں" (ترجمہ)

جنگیر نور (Jengiu hor) ایک منگول نسل کا شاہزادہ ملک پر حملہ آور ہوا مگر اس کو بطور تادان جنگ ایک معقول رقم دیکر اس سے پھینچا چھٹایا جو میں یہ معاملہ ختم ہوا۔ لاما جس نے اسے گویا اپنا زر خرید بنا لیا تھا چین کے شاہان مینجو سے فریادی ہوا۔ اس پر منگول کو طیش آیا۔ اور انہوں نے جنگیر نور کے بیٹے کو شیر خاں کی ماتحتی میں حملہ کر کے ملک کو فتح کیا۔ اور ڈلائی لایا کے سپرد کر دیا۔ یہ لاما سابق میں تاشی لپو کی خانقاہ کے تھے۔ مگر منگول امداد سے ان میں سے ایک گلدا ان (متصل موجودہ شہر لہاس) کی لامانی پر ممتاز کیا گیا تھا۔ تبت میں اب یہ خود مختار یا حاکم اعلیٰ تسلیم کر لیا گیا ہے۔ گورنمنٹ چین نے بھی ڈلائی لاما کی حکومت کو تسلیم کیا جو حکومت اس وقت تبت پر فرمانروا ہے۔ لداخ کی تاریخ کے نسبت یہی چند باتیں لکھنی ضروری معلوم ہوتی ہیں۔ دسویں صدی تک تبت کی عظمت کا یہ صرف ایک جز تھا۔ لیکن اس زمانے میں لداخ کے کالم نے لہاس کی اطاعت سے انحراف کیا۔ اگرچہ امر دینی میں اس نے لاما عظیم کی احکاگی پیروی کی۔ لیکن ملکی معاملات میں وہ بہت کم اس کی پروا کرنا تھا۔ سترہویں صدی میں لداخ صویہ کشمیر کے متعلق اور ہندوستان کی اسلامی سلطنت مغلیہ کا ایک جز تھا۔ جب کشمیر کے سکھوں نے فتح کر لیا۔ اہل لداخ نے ان کی ماتحتی سے روگردانی کی۔ ۱۸۴۲ء لغایت۔ ۱۸۴۳ء کشمیر کے ایک فوجی لشکر زور آور سنگھ نے اس کو فتح کر کے ریاست تبت میں ضم کر لیا۔ اس کے بعد بلتیوں کو زیر کیا۔ اور سلطنت ڈوگر کی ترقی کا یوں

نوٹ۔ تبت کے مسلمانوں کی تاریخ خمیر میں درج ہے۔

ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہو گیا۔ بتت کے گوشہ شمال و مغرب پر بھی ایک حملہ کیا گیا۔ لیکن وہاں برف کی چٹانوں میں فوج کا بڑا حصہ تلف ہو گیا۔ بعد میں اہل بتت نے لیپہ پر چڑھائی کی۔ جس میں انہیں ہزیمت اٹھانی پڑی آخر کار فریقین میں صلح کی ٹھہری۔ جس کے شرائط سے ملک کی وہی حالت پھر قائم ہو گئی۔ جو پیشتر تھی ۴۰

## دوسرا باب گورنمنٹ

بتت کی ملکی اور مذہبی حکومت و خلافت ڈلائی لامہ یا گریٹ لاما کے قبضہ قدرت میں ہے۔ اس کو لوگ بڑھ کا اوتار سمجھتے ہیں۔ ایسے ذی اقتدار حاکم اور ذہنی پیشوا کا انتخاب ۴ برس کی عمر میں ہوتا ہے۔ ان کے اعتقاد میں ڈلائی لامہ کا انتقال ہوتے ہی اس کی روح ایک نومولود کے قالب میں جو اسی آن میں پیدا ہوا ہو۔ حلول کرجاتی ہے عقلمندانہ لاما کی روح کے اس جدید اوتار کی بڑی تلاش ہوتی ہے۔ اتفاق سے ان کو بچہ ملتا ہے جس میں گویائی کی قوت پیدا ہو چکی ہے۔ اور وہ اپنے والدین سے کہتا ہے جس کو وہ نہایت تعجب سے سنتے ہیں، "لاما کٹولاسے چلے لوگ اب میرے مدعی ہونگے، والدین نہایت خوشی کی حالت میں کامنوں کو اس عجیب واقعہ کی اطلاع دیتے ہیں۔ یہ بچہ گریٹ لاما کے عظیم الشان عہدہ کے لئے منتخب کر لیا جاتا ہے۔ چار برس تک وہ بدستور اپنے والدین کے سایہ عاطفت میں پرورش پالتا ہے۔ اس کے بعد اس کو خانقاہ میں لے آتے ہیں۔ اور اس سے

متوفی گریٹڈ لاما کی استعمال کردہ چیزوں کی شناخت کرتے ہیں۔ جس انتخاب میں وہ تقریباً ہمیشہ کامیاب ہوتا ہے۔ اور اس طرز پر گریٹڈ لاما کے لئے انتخاب کیا جاتا ہے۔ ۱۸ برس کی عمر تک وہ نابالغ سمجھا جاتا ہے۔ اس درمیان میں لاسہ کی پانچ خانقاہوں میں سے ایک ولی کا انتخاب ہوتا ہے۔ یہ ولی بھی کسی متبرک لاما کا اوتار ہوتا ہے۔ لاماؤں کا گروہ اس کو نامزد کرتا ہے۔ اگر دونوں جانب رائیں مساوی ہوتی ہیں تو صورت معاملہ کو شاہ چین کے طرف رجوع کرتے ہیں۔ جو فیصلہ کرتا ہے کہ کون شخص اس میں سے ولی ہوگا۔ چین کے دو سفیر دربار لاسہ میں ہمیشہ موجود رہتے ہیں یہ سفیر انمیاں کہلاتے ہیں اون کا درجہ لاما کے

**نوٹ**۔ یورپین سیاحوں کا خیال ہے کہ جب گریٹڈ لاما بولہاسہ دار الحکومت ملک تبت میں رہتا ہے مرجاتا ہے۔ تو اس کے کارپرداز مخفی طور سے کسی نوموڈو لڑکے کو لاما کی مسند پر بٹھا دیتے ہیں اور اس کی پرکوش و تعلیم اس طرح پر کرتے ہیں کہ وہ تمام باتیں پہلے لاماؤن کے وقت کی بتانے لگتا ہے۔ اس کو ناداقف اور جاہل پیرولاما کی کشف و کرامات کا کرشمہ سمجھ کر یقین کر لیتے ہیں۔ کپتان ٹرنر جو ۱۸۴۳ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی کی طرف سے تبت کے راہ کے پاس جولامہ کا نائب سمجھا جاتا ہے بطور سفارت لاسہ کو گئے تھے۔ لکھتے ہیں کہ لاسہ کی عمر صرف ۱۶ برس کی ہے لیکن ملاقات کے وقت وہ بڑی شان و شوکت و محل و استقلال کے ساتھ مسند پر بیٹھا رہا۔ اور برابر میری طرف متوجہ رہا جب میں کوئی بات کہتا تو اس کے جواب میں وہ اس طرح سے گردن ہلاتا تھا۔ جیسے کوئی امیر کسی بات کو سمجھ کر اشارہ کرتا ہے جب چائے کا پیالہ خالی ہوتا تھا تو لاسہ ناک ہوں چکا کہ اور سر ہلا کر چیخا اور نوکر و نوکر اور چائے دینے کا اشارہ کرتا تھا + (مترجم)

بعد سمجھا جاتا ہے۔ اُن کی ماتحتی میں ایک ہزار سپاہیوں کی فوج رہتی ہے  
 امیان کے عہدہ کی بیعاد تین سال ہے۔ ان کے علاوہ چار وزیر ہوتے  
 ہیں۔ جنہیں کلون کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ یہ وزیر بالعموم  
 قدیم شاہی خاندان سے ہوتے ہیں۔ اور ان کا انتخاب ڈلائی لامہ اچینی  
 سفیر خود کرتے ہیں۔ یہ لوگ تابہ زلیست اپنے عہدہ پر قائم رہتے ہیں۔  
 ملک کے اصلی فرمانروا بھی عہدہ دار ہیں۔ اور گرینڈ لامہ کے ذیوی  
 اختیارات انہیں کو تفویض ہوتے ہیں۔ اور یوں گرینڈ لامہ عبادت  
 میں مشغول رہنے کے لئے آزاد رہتا ہے۔ کلون کی ماتحتی میں ہاکرڑی  
 ہوتے ہیں۔ جنہیں سے ۴ کی سپرد جنگی صیغہ ہے۔ ۴ کے متعلق نظم و نسق  
 ۴ کے پاس آمدنی اور صرف ہے۔ اور ۴ عہدہ قضا پر مامور ہیں۔ ۴ وزیر  
 ان کل حکام کا تقرر کرتے ہیں جنکے سپرد مختلف اضلاع یا مواضعات کا  
 انتظام ہے۔ مذہبی اور دینی معاملات میں ہر قریہ کا لامہ ایک ذمی اقتدار  
 حاکم ہے۔ گیا پو (Gyalpo) یا بادشاہ کے سپرد نظام سلطنت  
 ہے اس کی مدد کے لئے کلون وزیر ہیں۔ اور ایک گورنر لمپو (Mepmsok)  
 اور ایک سپہ سالار مک پورن (Makporon) چنگ زوٹ  
 (Chagpat) صیغہ مال کا حاکم اعلیٰ ہے اور کپون اعلیٰ  
 عہدہ دار قضا۔ ان کے علاوہ داروغہ اصطلیل انسران پوس اور مجسٹریٹ  
 بھی ہوتے ہیں۔ جنکو لہاسہ سے اختیارات تفویض ہوا کرتے ہیں۔ اگر  
 انہیں سے کسی کو اندر میعاد علیحدہ کرتے ہیں۔ تو اس سے زیادہ ذمی اختیار  
 حاکم اس کی جگہ مقرر کیا جاتا ہے کیونکہ کسی عہدہ دار کی علیحدگی آسانی سے  
 نہیں ہو سکتی۔ سابق عہدہ دار علیحدہ ہونے کے وقت ہمیشہ سازشیں کرتا اور فتنہ

فساد پر پا کرتا ہے۔ جدید جانشین مغزول شدہ عہدہ دار اور اس کے متوسلین سے مقابلہ کرتا ہے۔ اور اس کے عہدہ کا قیام صرف اس کی کامیابی پر منحصر ہوتا ہے۔ ورنہ اس سے بھی زیادہ ذمی ہتھیار اور زوردار شخص کا انتخاب کیا جاتا ہے۔ ایسے مقابلوں میں بظلمی کے سبب سے اکثر کشت و خون کی نوبت آجاتی ہے۔ یہ بڑے بڑے عہدے عموماً ناجائز وسائل سے حاصل کئے جاتے ہیں۔ ہر حاکم کا فرض ہے کہ جزوی معاملات میں بھی لہاسہ کی حکومت کا تابع فرمان رہے۔ تبت میں کوئی باقاعدہ فوج نہیں ہے۔ خطرہ کے وقت گورنمنٹ ہر خانہ ان سے کم سے کم ایک سپاہی طلب کرتی ہے۔ جو اپنے قدیم وضع کے ہتھیاروں سے مسلح ہوتا ہے۔ مثلاً تورے دار بندوق تیر و کمان اور بعض اوقات اپنی حفاظت کے لئے ایک سپر۔ اس کو اپنی خوراک وغیرہ کی نگہداشت خود کرنی ہوتی ہے۔ یہ انتظام عموماً اس کے کسی عزیز کے سپرد ہوتا ہے جو لڑائی میں اس کے ساتھ جاتا ہے۔ ان دنیا نوسی آلات حرب سے مسلح ہوتے وقت ان کو اپنے دشمن زورادر سنگہ کی قوت کا اندازہ نہ ہوا تھا جس نے (۱۸۲۵ء لغات ۱۸۲۲ء) ۴ برس کے اندر سخی اندر لہیہ کو اپنے آقا گلاب سنگہ مہاراجہ کشمیر کے لئے فتح کر لیا۔ راجہ لہیہ نے اس چڑھائی کی خبر سنکر اپنے آرام طلب اور نا آزمودہ کار حکام کو حکم دیا کہ زورادر سنگہ کی فوج کے ہر متنفذ کی مشکلیں باندھ کر ہمارے حضور میں حاضر کرو۔ لیکن راجہ کے عملات پر توپ کا گولہ چلنا اور اس کے قریب کا مسد ربر باد مونا تھا۔ کہ راجہ کے ہوش و حواس درست ہو گئے۔ اور اب اس کی سمجھ میں آیا کہ زورادر کوئی گرتبا (گاؤں کا کھیا) نہیں ہے۔ جس کے ساتھ یہ برتاؤ کیا جاوے۔

دیہات میں عدل گستری مکھیوں یا گلیا لپو یا کلن کی سپرد ہے سبقت میں جرایم کے لئے عجیب و غریب تعزیرات کا نفاذ ہے۔ فوجداری کے معاملات میں یرسزاکانی سمجھی جاتی ہے کہ مجوز ملزم کو چند گالیاں دیدے۔ یا سز کو زیادہ توہین آمیز بنانے کے لئے اس کے منہ پر تھوک دے (اس سے ایک غرض یہ بھی ہے کہ عدالت کا رعب قائم رہے) یا عدالت کسی تنومند ہلکا کو حکم دیتی ہے کہ ملزم کے گھونسے لگائے۔ سزائے تازیانہ بھی قانون کی رو سے جائز ہے۔ لیکن اکثر مقدمات میں ملزمان کو جرمانہ کر کے چھوڑ دیتے ہیں۔ کوئی شخص کسی کو لڑائی میں مار ڈالتا ہے تو قاتل کو یا تو تیروں سے ہلاک کر دیتے ہیں یا ایک وزنی پتھر اس کی گردن میں باندھ کر دریا میں ڈبو دیتے ہیں۔ اگر مقدمہ قتل میں اشتعال طبع کا ثبوت نہیں تو قاتل اور مقتول دونوں کو ایک ساتھ باندھ کر دریا میں غرق کر دیتے ہیں۔ یا دونوں کو دفن کر دیتے ہیں۔ اس طرح پر قاتل زندہ و رگور ہو جاتا ہے قاتل اگر آقا ہے جس کی زد کو ب سے اس کا ملازم ہلاک ہو گیا ہے۔ تو اس کی سزا اتنی سخت نہیں ہے۔ صرف اس کے درجہ کا تنزیل کر دیا جاتا ہے۔ اگر کوئی لامہ کسی راہیہ سے زبا بالجبر کرے در ان حالیکہ دونوں تجرد میں زندگی بسر کرنے کا عہد و پیمان کر چکے ہوں تو وہ دونوں اپنی طریقت سے نکال دئے جاتے ہیں۔ اور عوام میں ان کی تذلیل کی جاتی ہے۔ اور اگر انہوں ایسا کوئی عہد نہیں کیا تو انہیں شادی کرنے کی ہدایت ہوتی ہے۔ لیکن جماعت سے علیحدہ کر دئے جاتے ہیں۔ اگر ان میں سے کوئی بھی گزہ لامہ سے نہیں ہوتا۔ بلکہ معمولی آدمی ہوتا ہے تو اس کی پیشانی داغی جاتی ہے۔ اور وہ جماعت سے خارج کر دیا جاتا ہے

اس قسم کا داغ ایک لوہے کے اوزار کے ذریعہ سے بنایا جاتا ہے۔ جس سے کتے کی شکل چھپ جاتی ہے۔ جن لوگوں کو یہ سزا دی جاتی ہے۔ وہ اپنے جنس میں کتوں کے نام سے موسوم کئے جاتے ہیں۔ محض نماز کے مقدمات میں زانی کو کل سامان جہیز جو بیوی کے ذریعہ سے ملتا ہے واپس کرنا پڑتا ہے۔ اگر الزام عورت پر ہے تو مرد کو اختیار ہے کہ اس کو نکال دے۔ اور مال و زر اپنے قبضہ میں کر لے۔ سرقہ کے مقدمات میں چور کو سزائے قید دی جاتی ہے۔ اگر مال مسروقہ دستیاب ہو جاتا ہے۔ تو مالک کو واپس کر دیا جاتا ہے۔ مال مسروقہ کے خریدار کا ذاتی اسباب بھی خرید کردہ اشیاء کے ساتھ قرق کر لیا جاتا ہے۔ اور آخر الذکر سرکاری خزانہ میں داخل ہو جاتا ہے۔ اگر مال مسروقہ کا کوئی بجز بیک خریدار اپنے صرف میں لے آیا ہے تو اس پر جرمانہ کیا جاتا ہے۔ اور زر جرمانہ حاصل کرنے کے لئے اس کو بھیک مانگنے کا حکم ہوتا ہے۔ اگر مال مسروقہ کسی خانقاہ محل شاہی یا گورنر کے مکان سے چرایا گیا ہے۔ تو پہلی صورت میں سزائے بید اور جرمانہ دی جاتی ہے اور دوسری اور تیسری صورت میں بایاں یا دایاں باز و قلم کر دیتے ہیں۔ اور چوتھی صورت میں جلاوطن کرتے یا پانی میں غرق کر دیتے ہیں۔ غیر ملک کے باشندے اگر چوری کرتے ہیں۔ تو انہیں عرف جرمانہ کی سزا دی جاتی ہے۔ دیوانی کے مقدمات سے جو جرمانہ وصول ہوتا ہے وہ خزانہ شاہی میں داخل کیا جاتا ہے۔ لیکن مقدمات فوجداری کا جرمانہ لاٹوں کے پاس بھیجا جاتا ہے۔ جس کا مقصد یہ ہے کہ وہ ایسے مصارف میں صرف کیا جائے جو ملزم کی مغفرت کا وسیلہ ہو۔ مقدمات فوجداری میں بعض حالتوں میں ملزم کے

کان کاٹ دئے جاتے ہیں۔ سزا کا ایک عجیب و غریب طریقہ یہ بھی ہے کہ مجرم کی گردن میں ایک زنجیر باندھ کر ایک وزنی چیز لٹکا دیتے ہیں۔ بعض اوقات گائے یا بیل کے چمڑے میں مجرم کو سی کر دھوپ یا پانی میں ڈال دیتے ہیں۔ بعض اوقات گرم لوہے سے اُس کو دلخ دیوڑھیں ہیں۔ اس قسم کی وحشیانہ اور ظالمانہ سزائیں دینے کا کسی فرقہ کا سرگروہ مجاز ہوا کرتا ہے۔ لاما سے ایسے مظالم کا ظہور اس لئے نہیں ہوتا۔ کہ خون بہانا یا دکھ پہنچانا ان کے مذہب کے خلاف ہے۔ اگر کسی دیوانی یا فوجداری کے معاملہ میں الزام لاپر ثاب ت ہوتا ہے تو اُنکی سماعت کسی خاتقاہ کے لاما کی مذہبی عدالت کرتی ہے۔ اور اُس کے ساتھ ہمیشہ نرمی کا سلوک ہوتا ہے۔ اُس کی زندگی ہر حالت میں محفوظ رکھی جاتی ہے۔ سنگین جرائم کے ارتکاب پر اُس کا عضو جسمانی کاٹ کر حبس دوام کی سزا تجویز کی جاتی ہے۔ اور جلا وطن کر دیا جاتا ہے۔ پھر کبھی شہر میں داخل ہونے کی اجازت نہیں ملتی۔ اکثر مقدمات میں لاما کسی نہ کسی طریقہ سے اپنے مفید مطلب فیصلہ کرانے میں کامیاب ہوتا ہے۔

اپیلوں کی سماعت کے لئے منجانب گورنمنٹ چند وکلاء معین ہوتے ہیں۔ جن کا فرض ہے کہ جو ملزم اُن سے رجوع کریں اُن کے حق میں پیروی کریں۔ اگر چیف جسٹس یا ڈپٹی لاما ماحم خسروانہ عطا کرنے پر رضامند ہے۔ تو وہ فیصلہ کا اعلان کرتے وقت مجرم کو اپنی حضوری کی اجازت دے دیتا ہے۔ یہ التفات ملزم کی رہائی کی علامت ہے۔ دوران اپیل میں ملزم اور اُس کے اعزاء کامیابی کے لئے دعائیں مانگتے

ہیں۔ دیوانی کے مقدمات میں دستاویزی شہادت نہایت ضروری ہے اگر ایسی شہادت موجود نہیں ہے۔ تو ایک عجیب طریقہ اثبات دعویٰ کا تجویز کیا جاتا ہے جو عمومی ہمیشہ نامنظور کرتا ہے۔ ایک بڑے کڑ باؤ میں مکھن بھر کر آگ پر رکھ دیتے ہیں۔ جب مکھن کھل جاتا ہے۔ اُس میں پتھر کے دو ٹکڑے ڈالتے ہیں۔ ایک سفید اور ایک سیاہ فریق دادخواہ کو اپنے ہاتھ سے سفید پتھر نکالنا پڑتا ہے۔ اگر ہاتھ جل جائے یا سیاہ پتھر کھل کر آؤ تو مدعا علیہ کے حق میں ڈگری دیجاتی ہے۔ لیکن یہ طریقہ راج نہیں ہے۔ اگر اہل مقدمہ رضامندی ظاہر کرتے ہیں تو معاملہ بذریعہ پانسہ کے فیصل کیا جاتا ہے۔ معینہ تعداد میں پانسے ڈالنے سے جس کے اعداد زیادہ ہوں وہی کامیاب ہوتا ہے۔ اگر اس طرح پر فیصلہ نہ ہو اور جھگڑا بدستور قائم رہا۔ تو فریقین کسی خانقاہ کو جاتے ہیں۔ ملکیت متنازعہ اُس کو نذر چڑھا دیتے ہیں۔ اور یوں جھگڑے کا خاتمہ ہو جاتا ہے +

مجھے یاد ہے کہ میری موجودگی میں بھی ایک مقدمہ اسی قسم کا ہوا تھا۔ متنازعہ فیہ ایک گھوڑا تھا۔ مدعی اور مدعا علیہ دونوں اپنے اپنے بیان کی تائید میں مساوی شہادت رکھتے تھے۔ مقدمہ نہایت پیچیدہ تھا لیکن قبل اس کے کہ عدالت کے روبرو پیش ہو مجھے یہ معلوم ہو کر خوشی ہوئی۔ کہ دونوں فریق جائیداد متنازعہ کو ایک ایک مقامی خانقاہ کو نذر دینے پر راضی ہو گئے اور اس طرح معاملہ صلح کے ساتھ طے ہو گیا۔ اس سے اندازہ ہوگا کہ ان خانقاہوں کی دولت اور مالی حالت کس قدر بڑھی ہوئی ہوگی۔ جہاں آئے دن ایسی نذر و نیا گنڈا کرتی

ہیں۔ نفس الامر میں دیوانی کے مقدمات شاذ و نادر ہوتے ہیں۔ فوجدار کے مقدمات میں اصل ملزم کا پتہ لگانے میں زیادہ وقت پیش نہیں آتی تبت کے لوگ بہت سادہ لوح ہیں۔ اور اپنی چوریوں کو چھپاتے نہیں جب گرفتار ہو جاتے ہیں خوف زدہ ہو کر اپنے جرائم کا اقرار کر لیتے ہیں اور جج کی زبان سے سزا کا حکم بلا کسی اضطراب اور پریشانی کے سن کر شکرگاہ کا اظہار کرتے ہیں +

یہاں کی ڈاک کے انتظام کا بھی ذکر بالا جہاں کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ ہر قریہ کو اپنے قریب کے موضع تک خطوط پہنچانے کا انتظام کرنا پڑتا ہے۔ اگر ایک گاؤں سے دوسرے کا فاصلہ دراز ہوتا ہے تو ہزارہ کو (۱۰۰) میل تک لے جانا پڑتا ہے اس کا معاوضہ بہت خفیف ملتا ہے اس لئے کہ یہ ایک قسم کی بیگار ہے۔ مالگڈاری نقد جنس یا بیگار کی شکل میں ادا کی جاتی ہے۔ اگر فصل کی پیداوار نہیں ہوئی تو زمیندار کو بیٹر کی کھال۔ کھن۔ غلہ۔ لکڑی۔ ایندھن یا گھوڑے دینے پڑتے ہیں۔ بیگار سے لوگ بہت نالاں رہتے ہیں۔ اس کا کوئی وقت معین نہیں ہے۔ اور یہی بڑی وجہ ان کی بے وفائی کی ہے۔ یہ تکلیف وہ مگر کم خرچ بار ہمیشہ ان کی گردن پر رہتا ہے سرکار ان سے تعمیر کے کاموں میں محنت لیتی ہے اور حکام سفر کے موقعوں پر خانقاہوں میں بھی یہ لوگ بیگار کرتے ہیں۔ موجودہ حکومت جو فی الحقیقت سابق گورنمنٹ کی اصلاح یافتہ شکل میں ہے۔ باوجود تہا بیت نفع بخش ہونے کے تبت کے لوگوں نے ناپسند ہے وہ قدیم طریقہ کو پسند کرتے ہیں۔ اور موجودہ طرز کو سخت کہتے ہیں۔ قدیم سلطنت کے اصول اعدال سے

گذر کر زمی کی حد تک پہنچ گئے تھے۔ اس لئے وہ انہیں پسند ہیں۔ اُس زمانہ میں اگر کسی شخص کو زمین پر کوئی چیز گری ہوئی مل جاتی تو وہ اُس کا حق تھا۔ اصل مالک کی زبان بند کر دینے کے لئے یہ کہہ دینا کافی تھا۔ کہ ”مجھ کو سرکاری زمین پر ملی ہے“ تو کیا تعجب ہے کہ وہ قانون تغیرات کو جو بڑش گورنمنٹ کے اصول جہان داری کا جزو اعظم ہے ناپسند کرتے ہیں۔ یہاں کے باشندوں اور غیر ملک والوں کی نظروں میں یہ بات یکساں نہایت ناپسندیدہ ہے کہ کل خانقاہیں مختلف محلوں سے قاطبہ آزاد ہیں۔ بلاشبہ انہیں سخت شرائط کے سبب زمین کا بڑا حصہ غیر فروغ ہے۔ اور جب تک تبت کے لوگ لاما کے وجود کے سامنے اپنے وجود کو بے حقیقت سمجھیں گے۔ اس وقت تک ملک کی یہی حالت رہے گی۔ لاما ملک کے ذریعہ کو روز افزوں اپنی سرافازی اور پوجا میں صرف کرتے ہیں۔ اور اہل ملک کی طبیعتوں کو غیر مفید کاموں کی جانب راغب کرتے ہیں تاکہ ان کو اس گروہ کی بڑھی ہوئی قوت کے اندازہ کرنے کا موقع نہ ملے۔

## تیسرا باب

### ملک

تبت سطح روئے زمین پر سب سے بلندی پر واقع ہے۔ اس سرزمین کے باشندوں کے حالات کتابوں میں دیکھنے سے ان کے حوکت و سکنت رسم و رواج سے عجیب و غریب اور فریبگی پیدا ہوتی ہے۔

یہ دلچسپی اس لئے اور بھی بڑھ جاتی ہے۔ کہ غیر ملک والوں کو تبت میں اور خصوصاً اُس کے دار الخلافت لہاسہ میں داخل ہونے کی سخت ممانعت ہے۔ اَلْاَلْسَانُ حَرِيصٌ عَلٰى مَا مَنَعَهُ۔ تبت کے چھانسنے اور اُس کے حالات دریافت کرنے کی لوگوں نے نہایت کوشش کی۔ مگر پھر بھی پوری کامیابی نہیں ہوئی۔ اکثر یورپین سیاح لہاسہ تک پہنچنے میں ضرور کامیاب ہوئے۔ لیکن تقریباً یہ کل کامیابیاں اس زمانہ میں حاصل ہوئی تھیں۔ جب تک کہ چین کی اعلیٰ حکومت کو لہاسہ گورنمنٹ نے نہیں تسلیم کر لیا تھا۔ مابعد پھر وہی معمولی رکاوٹ مانع ہوتی رہی۔ اور بہت سے لوگ اپنی کوشش میں ناکامیاب رہے۔ اگر کسی نے کچھ دریافت بھی کر لیا تو صرف اس طح پر کہ وہ بھیس بدل کر وہاں داخل ہوئے۔ لیکن تاڑنے والے ہمیشہ سیرا ہلکاروں نے جو ہر وقت غیر ملک والوں کی تاک میں رہتے ہیں۔ اُن کو تاڑ لیا۔ ادھر انہوں نے شہر کے حالات کی تعقیب شروع کی اودھر اُن کی قلمی کھل گئی۔ اُنیسویں صدی میں اہل تبت کو غیر ملک والوں کے تجسس و تلاش سے یوں محفوظ پیدا ہو گئی کہ ایک سیاح جس کو انہوں نے شہر بدر کر دیا تھا۔ وہاں کی ایک خانقاہ کے اسرار کو فاش کرتے ہوئے گرفتار ہوا۔ گذشتہ زمانہ میں جبکہ وہ قدرتی مشکلات جو پہاڑوں کے واقعہ ہونے سے پیدا ہوئی تھیں۔ کیسے قدر و در ہوئیں۔ تو پھر باشندگان تبت کا تعصب اور بیرونی ممالک کے باشندوں کے ساتھ اُن کی طبعی نفرت سیاحوں کے میلان طبع کے سامنے جو کسی غیر ملک والوں کے عادات و خصائل دریافت کرنے میں پوری کوشش صرف کر دیتے ہیں۔ کوئی رکاوٹ نہ پیدا کر سکیں +

چودھویں صدی عیسوی میں فرار اڈورک (*Friar odoric*) لہاسہ تک پہنچ گیا۔ اور ۳۰ برس بعد کیتھولک مشنریوں نے بہ آسانی دارالسلطنت کی سیر کی۔ یہ لوگ کشمیر۔ نیپال یا چین کے رستہ سے داخل ہوئے تھے۔ انیسویں صدی میں ایک انگریز میننگ نامی اور دو فرانسسی مشنری بہت اور گوبل (*M. Gobel*) تبت کو گئے۔ لیکن جوں ہی انہوں نے اس محنت شاقہ برداشت کرنے کے بعد ملک کے حالات دریافت کر کے کچھ نفع اٹھانا چاہا۔ وہ نکال دئے گئے اس کے بعد اور لوگوں نے بھی کوششیں کیں جن میں سے آلبے ڈلیس گوڈنس (*Abbe Desgodens*) قابل ذکر ہے۔ تاہم متواتر کوششوں سے وہ تقاب جو اس ہمالیہ کے شمالی سرزمین کو ہماری نظروں سے چھپائے تھا۔ کچھ اوٹھ گیا۔ اس کی وجہ دریافت کرنا کہ بیرونی ممالک کے باشندوں کو تبت میں آنے کی کیوں ممانعت ہے۔ کچھ مشکل نہیں۔ تبت کی آبادی کا ایک چھٹا حصہ لاما یا مذہبی لوگوں کا ہے اور ملک کی دولت کا بڑا حصہ انہیں کے ہاتھ میں ہے۔ قانون کے پورے اختیارات یہی برتتے ہیں۔ اور اپنی مرضی کے مطابق لوگوں پر حکومت کرتے ہیں۔ اگر غیر ملکوں کے آزاد خیالات یہاں کے لوگوں میں پھیل جائیں۔ تو ان بزرگوں کے پاس کچھ بھی نہ رہ جائے گا۔ اس لئے وہ ساعی رہتے ہیں کہ اجنبی ان کے ملک اور خصوصاً لہاسہ میں داخل نہ ہونے پائیں۔ اور اس ممانعت کے قائم رکھنے کے لئے شاہ چین سے مدد لیتے ہیں۔ فی الحقیقت شاہ چین کا اعزاز ان کے دلوں میں بہت کم ہے۔ بعض مقامات میں

محض برائے نام ہے۔ اور بعض میں قطعی نہیں۔ تبت کا مرتفع میدان دنیا کے چند بلند پہاڑوں سے محصور ہے۔ جنوب میں ہمالیہ کا سلسلہ اور شمال میں کیولنسن پہاڑ ہیں۔ یہ دونوں سلسلے مغرب کی جانب پھیلتے ہیں۔ اور کراکرم سے ملکر پامیر کے میدانوں میں غائب ہو جاتے ہیں۔ مشرق اور جنوب و مشرق کے گوشہ میں چین کے پہاڑوں کی بلندی چلی گئی ہے۔ جس کی ایک چوٹی ۷ ہزار فیٹ تک اونچی ہے۔ کوئی مقام سطح آب سے ۱۰ ہزار فیٹ سے کم بلند نہیں ہے۔ طول میں مشرق سے مغرب تک تبت کی پیمائش کچھ اوپر (۱۵۰) میل ہے۔ اور عرض میں ڈیڑ سو میل مغرب کی جانب اور (۷۰) میل مشرق کی جانب ہے۔ ملک کا رقبہ تقریباً ۱۰ لاکھ مربع میل ہے۔ یہاں کی مردم شماری صرف پچاس لاکھ ہے۔ ایسے خط زمین میں اس سے زیادہ باشندے بہ آسانی آباد نہیں ہو سکتے۔ ہر سیاح اس کی زرخیزی کی تعریف "بجر" کے سادہ لفظ سے کرتا ہے۔ سال میں ۸ ماہ یعنی اکتوبر سے اپریل تک چھپے چھپے زمین کا کیا وادی کیا پہاڑی کیا میدان برف سے ڈھکا ہوتا ہے یہاں تک کہ جھیل اور دریاؤں تک پر بھی برف جم جاتی ہے۔ تیز تند ہوا سارے ملک میں چلتی ہے۔ گرمیوں میں ہی سے

نوٹ - تاریخ جدید میں تبت کا طول سو پندرہ میل عرض پانچ سو میل اور مساحت لاکھ

پچاس ہزار میل اور مردم شماری پچاس لاکھ لکھی ہے۔ (مترجم)

نوٹ - مارکو پولو کے سفر نامہ میں تبت کی نسبت لکھا ہے "پھر پٹھان کا سفر

ایک غیر آباد اور خطرناک ملک میں ہو کر کرنا پڑتا ہے جسے تبت کہتے ہیں" (مترجم)

اکتوبر تک موسم میں تبدیلی واقع ہوتی ہے۔ اور زیادہ فرق مغربی تبت میں معلوم ہوتا ہے مشرقی حصہ میں جا بجا کھلے میدان واقع ہیں جن میں محفوظ اور عین غار ہیں۔ یہاں برف گل کر نقرئی دہاروں میں بہتا ہے جس سے جنگل سرسبز و شاداب ہوتے ہیں۔ اور سفید سطح زمین پر سبزہ کا فرش لہلہانے لگتا ہے۔ شمالی حصہ میں نہایت نرم گھاس پرکے مانند جا بجا آگ آتی ہے جو ایک سبز قالین کا منظر پیش کرتی ہے۔ اور بعض جگہ ہموار اور بعض موقعہ پر پہاڑیوں اور دروں کے کشیب سے یہ سبز فرش ڈھالو نظر آتا ہے +

تبت کے جانوروں کی آمدنی سے پیداوار کی کمی کو یہاں کے لوگ پورا کر لیتے ہیں۔ میدانوں کے سبزہ زار ملک کے بیشمار جنگلی جانوروں کے لئے چراگاہ کا کام دیتے ہیں۔ جنگلی اہل تبت کو بوجہ اس کے کہ وہ زیادہ مویشی رکھتے یا وسط ترکستان مغربی چین یا شمالی ہند کے دساوروں سے بیوپار کرتے ہیں۔ ان کی زیادہ ضرورت رہتی ہے۔ گھوڑے اور بکریاں جنگلی ہوں یا پالے ہوئے ان کے پاس بکثرت ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ میل چجر اور بھیر کی تعداد بھی کم نہیں ہوتی۔ لیکن اس ملک کا خاص جانور سُرگاگائے ہے۔ جس کے بال بہت لمبے ہوتے ہیں۔ بارہ سنگے۔ غزال۔ اور برن بھی یہاں بکثرت پائے جاتے ہیں۔ جنگلی بط ہنس۔ ہوکا اور تیتربھی جو شکاریوں کی دلچسپی کے جانور ہیں۔ زیادہ ہوتے ہیں۔ لیکن یہاں چڑیوں کے شکار کی قطعی مانعت ہے۔ پندرہ سو فیٹ کی بلندی پر مچھلیاں بھی ہوتی ہیں۔ جن کا شکار تبتی سال کے صرف پہلے چھ مہینہ میں ہوتا ہے۔ ان جانوروں میں سال کے

کے اون والی بکریاں لوگوں کی آمدنی کا خاص ذریعہ ہیں۔ ان اشیاء میں جنگلی برآمد تبت سے ہوتی ہے۔ اُفن کا پہلا نمبر ہے۔ جس سے کشمیر کے مشہور شال بنتے ہیں۔ ایندھن کے لئے جو سرد ملک والوں کی ضروریات زندگی کا خاص جزو ہے۔ تبت والے محض اپنے مولشیوں کے گلوں پر بھروسہ رکھتے ہیں۔ ان کی لید یا گوبر کو جمع کر کے اُپلے بنا لیتے ہیں۔ جنکو ارغول کہتے ہیں خشک ہو جانے کے بعد ذراسی ہموث یا ری کیساتھ استعمال کرنے میں یہ آگ کا پورا کام دیتے ہیں۔ مغربی تبت میں ایک جنگلی جھاڑی بکثرت پیدا ہوتی ہے۔ جو بجائے ارغول کے استعمال کی جاتی ہے۔ تبت میں دہات کی کانیں بھی بکثرت ہیں جن میں بالخصوص سونا۔ تانبا اور سہاگہ کی مشہور ہیں۔ آخر الذکر کی برآمد بہت ہوتی ہے۔ یہ دہات جھیلوں سے قدرتی طور پر بذریعہ تبخیر دستیاب ہوتی ہے۔ جھیلوں کے کنارے نمک کی چٹانیں جمی ہوتی ہیں ان کو جمع کر کے دھونے صاف کر لیتے دھوپ میں سکھا لیتے ہیں \*

چاندی اور سونا بہت کم باہر جاتا ہے۔ زیادہ مقدار زیورات کے بنانے میں کام آجاتی ہے فی الحقیقت اس ملک میں اکثر بیشہاکانیں ہیں۔ لیکن پانی کی کمیابی کی وجہ سے ان سے مستفید ہونا غیر ممکن ہے دوسری بڑی وجہ اس مفید کام کی طرف توجہ نہ کرنے کی یہ ہے۔ کہ سونے کے کھودنے والے بمقابلہ دیگر پیشہ وروں کے چوری اور لوٹ کے شکار زیادہ ہوتے ہیں۔ تبت کی خاص اشیاء درآمد میں ایک قسم کی چائے ہے جو چین سے آتی ہے۔ چین کی یہ خواہش کہ تبت حتی المقدور انہیں لوگوں کے قبضہ میں رہے۔ اس وجہ سے کبھی بہت کم چین کی اس پیداوار کی

نکاسی یہاں بہ آسانی ہوتی ہے۔ خراب سے خراب چائے کی پتیاں اس کے بنانے میں صرف کیجاتی ہیں۔ اور برآمد کی غرض سے اس کے پرت اینٹ کی شکل میں جادیتے ہیں۔ ہر درجہ کے لوگوں میں اس کا رواج ہے اس لئے اس کی یہاں بڑی مانگ ہے۔ تبت کا آبی سلسلہ بھی قابل ذکر ہے۔ شمالی اور وسطی دریا نمک کی جھیلوں کی شکل میں ختم ہو جاتے ہیں۔ جنوبی اور جنوب و مغرب کے دریا گھاٹیوں میں ہوتے ہوئے بہتے ہیں۔ اور جوں جوں آگے بڑھتے ہیں۔ ان کا پھیلاؤ بھی بڑھتا جاتا ہے۔ اور آخر کار سمندر میں گر جاتے ہیں۔ بہتیت مجموعی کل شمالی اور وسطی تبت ایک آبشار ہے مشرقی سمت میں بانگ ہو۔ بانگ ٹیسی کیانگ۔ اور میکانگ چین کو کاٹتے ہوئے ہندی چین میں ہو کر سمندر میں لجاتے ہیں۔ اور مغرب میں دریائے سندھ اور ستلج ہمالیہ میں ہو کر ہندوستان کے میدانوں کی آبیاشی کرتے ہیں۔ یہاں کی آب و ہوا یا تو انتہا سے زیادہ گرم یا حد سے زیادہ سرد ہے۔ اور صرف مختلف موسموں میں ہی تبدیل نہیں ہوتی۔ بلکہ گراما میں دن کے مختلف اوقات کے ساتھ تبدیلی واقع ہوتی ہے۔ ۸۔ مہینہ کٹرا کے کی سردی کے بعد ۴ مہینہ شدت کے ساتھ گرمی پڑتی ہے۔ یہ ہوا کی رقت کی وجہ سے ہے۔ جو آفتاب کی شعاعوں میں بہت کم حال ہوتی ہے۔ گرمیوں کے دن ڈوبنے پر راتیں خوشگوار نہیں ہوتیں بلکہ نہایت ہی سرد ہوتی ہیں۔ تبت والوں کی زندگی کے شب و روز ایسی عجیب و غریب آئے ہو ایں گذرتے ہیں۔ کہ وہ نقل و حرکت کرنے سے بیجور ہیں۔ اگر ان کے جانے کے لئے کوئی جگہ ہے تو نیچے میدانوں میں۔ لیکن پہاڑیوں اور

میدانوں کی آب و ہوا اس قدر مختلف ہے کہ پھر آمد و رفت غیر ممکن ہے۔  
لہذا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ میدان میں آتے ہی وہ بیمار پڑ جاتے اور لقمہ اجل  
بن جاتے ہیں +

## چوتھا باب تبت کے لوگ

چونکہ تبت کے لوگ اور چین والے ایک ہی نسل سے ہیں اس لئے  
یہ قدرتی بات ہے کہ وہ شکل و شہامت میں اس ملک کے باشندوں سے  
مشابہ ہوں۔ یہ پستہ قد اور چھوٹے لیکن توانا ہوتے ہیں۔ نہ صرف آب ہوا  
کی سختیاں چھیلنے کے لئے موزوں ہوتے ہیں بلکہ تجارت کے قافلوں کے  
ساتھ دور دراز کے سفر طے کرتے ہیں۔ مگر باوصف جسمانی توانائی کے  
بڑے ڈرپوک ہوتے ہیں۔ ذرا سی دھکی ان کے ڈرانے کے لئے کافی ہو  
تبت کے باشندے شکل و صورت میں ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں  
عموماً ان کی آنکھیں چھوٹی چھوٹی حلقے پڑے ہوئے اور پوٹے لٹکتے ہوئے  
ہوتے ہیں۔ رخساروں کی ہڈیاں ادبہری ہوئی ہوتی ہیں۔ جو ٹھوڑی تک  
اگر چھوٹی ہو جاتی ہیں جس سے ان کے چہرہ کی بیضاوی شکل نکل آتی ہے۔  
ان کی ناکیں چوٹی اور دونوں آنکھوں کے بیچ میں بیٹھی ہوئی ہوتی ہیں۔ وہ  
پائے چینی بمسایوں کے مانند چوٹی رکھتے ہیں۔ ڈاڑھی۔ مونچھ کے بال برے  
نام ہوتے ہیں۔ عورتیں محنت و مشقت میں مردوں کے ہم پلہ ہوتی ہیں۔  
مغربی خیالات کے مطابق ان کے حسن میں بہت سے نقص ہوتے ہیں۔

جب کسی ایسی شکل سے سابقہ پڑتا ہے جس میں کچھ بھی خوش کرنے کا مادہ ہو تو وہ خوشی اُس کی شکل و شباهت کی وجہ سے نہیں ہوتی۔ بلکہ اُس کے خَلق ذہانت اور صفائی کے اوصاف حمیدہ سے ہوتی ہے۔ جنکے آثار اُس کے چہرہ پر نمایاں ہوتے ہیں۔ ان میں صفائی کا مطلق خیال نہیں ہوتا۔ اسلئے یہ لوگ نہایت کثیف رہتے ہیں۔ سال میں ایک مرتبہ نہانے کا سراج ہے۔ لیکن اس میں شبہ ہے کہ آیا کثیر التعداد لوگوں کا یہی وطیرہ ہے بدن کے اوپر جو کپڑے پہنتے ہیں۔ اونپر کبھی شوبہ نہیں پڑتا۔ ان کو برا برہینے رہتے ہیں یہاں تک کہ دھجیان ہو کر گر پڑتے ہیں یہ لوگ اپنے مکانوں کو بھی کم صاف رکھتے ہیں۔ ان کے اطوار و عادات کے تذکرے زیادہ دلچسپ ہیں۔ بعض خصوصیات ان میں ایسی ہیں جن کے بغیر اس قوم کے حالات معلوم کرنے کا اشتیاق تو ضرور ہوتا مگر ان کے ساتھ کچھ بھردہی نہ ہوتی۔ ان لوگوں میں انتقام لینے کا مادہ پایا جانا بیان کیا جاتا ہے۔ لیکن اس جوش کو شاذ و نادر حرکت ہوتی ہے۔ خون کو دیکھتے ہی ان کا چہرہ خوف کے مارے زرد پڑ جاتا ہے۔ یہ لوگ نہایت ظریف اور خوش مزاج ہوتے ہیں۔ کبھی ایسے افسردہ خاطر نہیں ہوتے کہ ان کو مذاق گر ان گزرے کبھی ایسے خستہ نہیں ہوتے کہ ان کو خوش کرنا امکان سے باہر ہو۔ ان کے مطالبات احتیاج کے دائرہ سے باہر نہیں ہوتے تھوڑی سی چیز پر قناعت کرتے ہیں۔ ان کے دلوں کی کیفیت قریب قریب ایسی ہی ہے جیسے کہ ایک شاعر کے توہمات۔ بعض مسیحتوں نے اونپر دروغ لکونی کا الزام لگایا ہے۔ لیکن بحالت موجودہ افشائے راز سے ان کی جانبیں بڑے خطرہ میں پڑ جاتی ہیں۔ اس لئے سیر و نی

ممالک کے لوگوں کو جو اس ملک کی تحقیق میں سرگردان رہتے ہیں۔ اصل حالات سے مطلع کرنا ایک ایسا جرم ہے جس کی معافی نہیں۔ انواہا سنا گیا تھا کہ تین آدمی جنہوں نے اس قانون کی نافرمانی کی بڑے ظلم سے ہلاک کئے گئے۔ لہذا اگر اہل تبت جنکے اخلاق اور محامد عیسائی ملکوں کے باشندوں کے درجہ تک نہیں پہنچنے اپنی جانیں بچانے کے لئے فریب سے کام لیں تو کیا تعجب ہے۔ اجنبی لوگوں کے ساتھ ان کا وہی برتاؤ ہوتا ہے۔ جو ایک جاسوس کا غیر ملک میں لڑائی۔ جھگڑا۔ مخمور ہونے کی حالت کے سوا بہت کم سُننے میں آیا ہے۔ اہل تبت روپیہ پیسہ کے بڑے حریص ہوتے ہیں۔ لیکن یہ حرص تجارتی قوم ہونے کی وجہ سے ہے۔ اس لئے کہ تجارت کا خیال عام طور سے تمام ملک میں پھیلا ہوا ہے۔ دولت کمانے میں باوجود حریص ہونے کی خیرت کرنے سے دریغ نہیں کرتے۔ بلکہ ضرورت کے وقت نہایت فیاضی سے کام لیتے ہیں جب کسی کو طمع سے خالی اور بیغرض پاتے ہیں۔ تو اسکی قدر و منزلت کرنے سے غافل نہیں ہوتے۔ اگر ان کو کافی موقع دیا جائے تو وہ دنیا کی کسی قوم سے دماغی قابلیت میں کم نہیں ہیں۔ تبت کے باشندے دو طبقات میں تقسیم کئے جاسکتے ہیں۔ شمالی اور جنوبی طبقہ شمالی میں خانہ بدوش فرقے پھیلے ہوئے ہیں۔ اور طبقہ جنوبی میں اصلی باشندے آیا وہیں۔ خانہ بدوشوں میں متعدد فرقے شامل ہیں۔ اور ان کے مختلف نام ہیں۔ لیکن جیسا کہ نام ایک بڑے گروہ پر حاوی ہے۔ اس کی وجہ شمشیمہ یہ ہے کہ یہ لوگ چنگ ٹانگ کے لقی و دوق میدان میں پھرتے رہتے ہیں۔ علاوہ ان کے کمبا (Kambs)

ہیں جن کا یہ نام کھام (جو تبت کے مشرق میں ہے) سے آنے کی وجہ سے پڑا ہے۔ دونوں کبا اور چمپا مثل دیگر اہل تبت کے مذہب بڑھ کے پیرو ہیں (تبت کا بڑھ مذہب) لیکن ان کی اولاد لانا نہیں ہو سکتی۔ چمپا دوسرے فرقوں میں شادی نہیں کرتے۔ ان خانہ بدوشوں کا ایک اور فرقہ ہے جو دوکیا (Dokpa) کے نام سے مشہور ہے۔ یہ لوگ اپنی چوٹیاں گوندھتے نہیں بلکہ لمبے لمبے بال رکھتے ہیں عادات اور اطوار کے لحاظ سے بمقابلہ دوسرے فرقوں کے ان میں جوش و خروش زیادہ ہے۔ چوتھا گروہ ان کا چکیا یا قزاقوں کا ہے۔ جو میدانوں میں رہتے اور اپنے دوسرے خانہ بدوش بہائیوں کا شکار کر کے خود بارام زندگی بسر کرتے ہیں۔ ان ٹیڑوں کے حملہ کرنے کا طریقہ نہایت آسان ہے خانہ بدوش گروہ خیموں میں رہتے ہیں۔ اور جب چکیا کبھی غیر محفوظ خیموں پر رات کو آتے ہیں۔ تو وہ پہلے اس کی رسیاں کاٹ دیتے ہیں جس سے خیمہ نیچے کو آ رہتا ہے۔ اور جب اندر کے لوگ کپڑے کی تہوں سے بھاگنے لگی کوشش کرتے ہیں۔ تو وہ بھی کاٹ ڈالے جاتے ہیں۔ جملہ خانہ بدوش سفر میں اپنے خیمہ ساتھ رکھتے ہیں چونکہ زراعت پیشہ نہیں ہیں۔ اس لئے ان کو زمین کی پیداوار کی کچھ پروا نہیں ہوتی۔ بسر اوقات کے لئے گلگوں کی افزونی نسل اور گوشت پر بہروسہ کرتے ہیں خشک میوہ اور آٹے کو بہت کم استعمال کرتے ہیں۔ اس لئے یہ چیزیں مختلفات زندگی خیال کیجاتی ہیں ملک کے اس حصہ میں جس پر کشمیر کی حکومت ہے۔ ایک معقول مردم شماری دو غلوں کی ہے لکن آبا و اجداد بالعموم مسلمان ہوتے ہیں ان میں تبتی اور <sup>بلوں</sup> لوت۔ تبت کے مسلمانوں کا حال تخری باب میں دیکھو۔

کے نام سے مشہور ہیں۔ ان کے مرد جو تجارت پیشہ ہیں۔ بغرض خرید و فروخت  
یہہ میں آتے ہیں اور اپنے زمانہ قیام کی حالت میں تبتی عورتوں کو اسلام  
قبول کرنے اور شادی کر لینے کی ترغیب دیتے ہیں۔ یہ سوداگر جب اپنے  
وطن کو واپس ہوتے ہیں۔ تو ان جدید منکوہ عورتوں سے قطع تعلق کر  
دیتے ہیں۔ جیسا کہ اسلام میں اجازت ہے۔ لیکن تبت کی مستورات  
ایسی آزاد ہیں جسکی کیفیت ہم آگے چلکر بالتفصیل بیان کریں گے، کہ  
جب یہ چند روزہ تعلق پیدا کیا جاتا ہے۔ تو فریقین کے دلوں میں یہ  
خیال کسی حالت میں پیدا نہیں ہوتا۔ کہ انہوں نے کسی قسم کی بردگی  
کی ہے۔ اہل تبت میں ذاتوں کی تقسیم بھی ہے۔ لیکن ذات کی پابندی یا  
جیسی کہ ہندوستان میں ہیں تبت میں بہت کم ہے۔ ذیل اقوام میں  
صرف لوہار۔ اور باجے والے داخل ہیں۔ شرفا کے خاندان میں  
ان کی قرابت رواجاً نہیں ہو سکتی۔ ان تمام مضحکہ آمیز رسومات کی  
حکمراندیوں کا جو ہندوستان میں رائج ہیں۔ تبت میں نام بھی نہیں  
پایا جاتا +

عوام کی پوشاک نہایت سادہ ہوتی ہے۔ ان کا لباس بالکل  
اُدنی خانہ ساز شوخ رنگ کپڑے کا ہوتا ہے۔ عورت اور مرد دونوں  
ٹھیللا اور لمبا چٹھہ پہنتے ہیں۔ یہ چٹھہ دوپٹہ ہوتا ہے اس کے اوپر کمر میں  
اولی پٹی باندھ لیتے ہیں۔ غریب آدمی اس کے نیچے کچھ نہیں پہنتے۔ بوٹ  
اور ٹوپی پہننے اور بعض اوقات ایک زائد کپڑا لپٹنے سے ان کی پوشاک  
مکمل ہو جاتی ہے۔ غریب لوگ جب سوئے کو لیتے ہیں۔ تو اپنا بڑا چٹھہ اوتار کر  
زمین پر بچھا لیتے ہیں۔ اور منہ اونڈا کر کے گھٹنے پیٹ ہر سکوڑ کر بڑبڑتی ہیں۔

اُن کی پشت اور سینے کے خمیدہ ہونے کی غالباً یہی وجہ ہے۔ چغہ کا کچھ حصہ اوپر بھی اڑھ لیتے ہیں۔ اپنی پوشاک کے نیچے یہ لوگ سمور پہنتے ہیں۔ جو معمولی بکرے یا بھیڑ کا ہوتا ہے۔ بال جسم کی طرف ہوتے ہیں۔ لیکن چونکہ لیہہ وسط ایشیا لہاسہ اور ہندوستان کی تجارت کا مرکز ہو گیا ہے اس لئے امراموہ لاما اور کشک کے ولایتی ساخت کا سوتی جین کا ریشمی یا لہاسہ کا اونی کپڑا استعمال کرتے ہیں۔ ٹوپوں میں علی العموم سیاہ سمور کا استر ہوتا ہے۔ یہ لوگ ایک عجیب قسم کا بوٹ پہنتے ہیں۔ جو لہاسہ کا بنا ہوا کڑے کاغذ کا ہوتا ہے۔ اہل تبت کے نزدیک اُن کے بوٹ نہایت ضروری چیز ہیں۔ پتھر ملی اور کھڑی زمین اور سوخت کرنے والی برف سے پھنجے کے لئے اس نگہداشت کی ضرورت ہے۔ جو تہ کا تداوہرے چڑے کا ہوتا ہے جو بیرونی گناہ تک مڑا ہوتا ہے۔ اس کے آگے موٹے اونی کپڑے یا مندے کا ایک ٹکڑا جوڑ دیتے ہیں۔ جس سے ٹخنے ڈبکے رہتے ہیں۔ باقی ٹانگ مندے کے چھپے گلیٹوں سے جو فیتہ کے کئی لپٹیوں سے بندھے ہوتے ہیں۔ محفوظ رہتی ہے۔ لہاسہ اور جنوبی تبت میں اونی کپڑے کے بجائے ریشمی کپڑے کا زیادہ رواج ہوتا جاتا ہے۔ انگریزی اور غیر ولایت کے ساختہ سوتی اور اونی پارچوں نے دیسی موٹے کپڑے کا رواج اٹھا دیا ہے۔ چمپا گروہ کی پوشاک قریب قریب جنوبی تبت کے باشندوں کی سی ہوتی ہے۔ صرف اس قدر فرق ہوتا ہے کہ بعض اُن میں سے بجائے اونی کپڑے کے بکری کی کھال کا نیا کوٹ پہنتے ہیں۔ یہ لوگ عموماً بنگالیوں کی طرح ننگے سر رہتے ہیں۔ غیر ننگے کے

لوگوں کی توجہ جنوبی تبت کی عورتوں کے سر کی پوشاک کی طرف بوجہ  
 نئی وضع ہونے کے خاص طور سے مبذول ہوئی ہے۔ خود وہاں کے  
 باشندے ان کو دیکھ کر متوجہ ہو جاتے ہیں۔ اس لئے کہ وہ لباس  
 پہننے والے کے دو تہند ہونے کا ایک معیار سمجھا جاتا ہے۔ یہ مچھلی کی شکل  
 کا مندرے کا ایک ٹکڑا ہوتا ہے۔ جو پیشانی سے لیکر درمیان پیٹھ تک  
 لٹکا ہوتا ہے۔ جس میں قسم قسم کے قیمتی پتھر اور بھدے فیروزے ٹکے  
 ہوتے ہیں۔ آخر الذکر قیمت میں ایک روپیہ سے پندرہ روپیہ تک کے  
 ہوتے ہیں کپٹی کے پاس اس کپڑے میں دو نو طرف نصف دائرہ  
 کی شکل میں دوکان سے نکلے ہوتے ہیں جن کے کنارو نیپر سمور لگا ہوتا  
 ہے یہ بانوں کے نیچے سے ٹکڑے کا نون کو ڈھک لیتے ہیں۔ اس پوشاک  
 کو پیراک کہتے ہیں۔ عورتیں اپنی ساری امارت اس کو بیش قیمت بنا  
 میں صرف کر دیتی ہیں۔ تبت کا آدمی ایک نظر پیراک دیکھ کر عورت  
 کے متول کا اندازہ کر لیتا ہے۔ یہاں کے باشندوں کے مکانات  
 بظاہر معمولی ہوتے ہیں۔ مٹی اور پتھر یا کچی اینٹ یا سینگ کے بنے  
 ہوئے جھونپڑوں سے کچھ ہی بہتر ہوتے ہیں۔ سینگ کے مکانات  
 بننا یہاں کی نئی بات ہے۔ بعض مقامات میں یہ لوگ رہنے کے لئے  
 غار بنا لیتے ہیں۔ اور ان کو حیموں سے زیادہ محفوظ سمجھتے ہیں۔ کیونکہ  
 لیڑوں کے حلوں سے باسانی ان غاروں میں پناہ مل سکتی ہے۔  
 بڑے شہروں میں مکانات بہتر تعمیر کئے جاتے ہیں۔ مکاؤں میں  
 روشندان ہوا کی آمد و رفت کے لئے بالکل نہیں بنائے جاتے  
 اور قواعد حفظ صحت کا لحاظ قطعی نہیں کیا جاتا۔ پانچ خانہ گھروں کے اندر

ہوتے ہیں۔ جو سال میں صرف ایک مرتبہ صاف کئے جاتے ہیں۔ لہٰذا  
 اور جانور سب ایک ہی جگہ رہتے ہیں۔ غرابانے کے مکانون کے سوا  
 ہر مکان میں ملاقات کا ایک کمرہ ہوتا ہے جو ہمیشہ صاف رکھا جاتا  
 ہے۔ علاوہ رہنے کے کمرہ کے باقی سارے مکان میں میلا اور  
 کوڑھ جمع ہوا کرتا ہے۔ خوشحال گھرانوں کی ایک خاصیت چرب  
 زبانی بھی ہے۔ عالیشان مکانون میں بالا خانے بھی ہوتے ہیں  
 جہاں دوستوں کا جگمگھٹ رہتا ہے۔ اور آزادی سے چائے اور  
 نمینڈ کا دور چلتا ہے۔ ایک عام رواج اس ملک میں یہ ہے کہ بکری  
 اور بھیڑ میں وغیرہ اور آدمی سب ایک ہی بڑے دالان میں رہتے ہیں۔

## پانچواں باب

### حرفہ

تبت کے باشندے زراعت پیشہ ہونے کے علاوہ گلہ بانی  
 کا کام بھی کرتے ہیں۔ چانگ ٹانگ کے شمالی میدان میں جنگلی  
 جانوروں کے جھنڈے کے جھنڈے رہتے ہیں۔ خانہ بدوش نہایت مست  
 کے ساتھ اپنی بھیڑ اور بکریوں کو میدانوں میں ہانکتے پھرتے ہیں  
 اور ان کے دودھ اور گوشت پر بسر کرتے ہیں۔ اس صحراگردی  
 میں جب کہی موقع ملتا ہے تو وہ بہت خوشی سے تاجروں کو ایک  
 جگہ سے دوسری جگہ مال لے جانے میں مدد دیتے اور یوں اپنے  
 اور اپنے بچوں کے لئے اچھی خاصی خوراک حاصل کر لیتے ہیں مغرب

میں بڑی تعداد زراعت پیشہ لوگوں کی ہے۔ وہ بحیثیت رعایا کے اپنی اپنی زمین میں کاشت کرتے اور متفرق آمدنی سے اپنے مخصوص ادا کرتے ہیں۔ جو کی کاشت یہاں بکثرت ہوتی ہے۔ جو نہ صرف ان کی غذا کے کام میں آتا ہے۔ بلکہ وہ لوگ اس سے ایک قسم کی نبیذ تیار کرتے ہیں جسے چھنگ کہتے ہیں۔ ایک گہڑے میں تھوڑے جو خیف جوش دے کر ابال لیتے ہیں۔ اور ایک ہفتہ تک اسی حالت میں چھوڑ دیتے ہیں اس اثناء میں خمیر اٹھ آتا ہے۔ (یہ حیرت کی بات ہے کہ سردی اور گرمی دونوں موسموں میں خمیر اٹھنے میں یکساں وقت صرف ہوتا ہے) اور عرق تیار ہو جاتا ہے اس کو چھانکر لوگ استعمال کرتے ہیں۔ اس عرق کی تیاری میں جو جو استعمال کئے جاتے ہیں انکو بجز امیر آدمیوں کے کوئی پھینکتا نہیں۔ عموماً ان کو خشک کر کے بھوتے ہیں اور باریک آٹا ان کا پیس لیتے ہیں۔ جو عوام الناس کی معمولی غذا ہے۔ یہ جو کسی چیز کے ساتھ پکائے نہیں جاتے۔ غریب آدمی چھنگ کے ساتھ کھاتے ہیں۔ اور امیر شکر اور مکھن کے ساتھ۔ گیہوں اور مٹر کی کاشت کم ہوتی ہے۔ مشرقی تربت میں آلو۔ پیاز گوبھی اور کدو بھی بوسے تے ہیں۔ لیہہ میں جرمین پادریوں نے اپنے ملک کی ترکاریوں کی تخم ریزی شروع کی ہے۔ جو یقین ہے کہ سارے ملک میں پھیل جائیں گی۔ کو بائی جو مغربی تربت خصوصاً بلتستان میں پیدا ہوتے ہیں خشک کر کے لہا شہ بھیجے جاتے ہیں۔ غریب طبقہ کے لوگ ان کی بہت قدر کرتے ہیں۔ اس کے چھلکے کو خشک کر کے پیس لیتے ہیں۔ اور پانی یا چائے میں ملا کر موٹا تھقل جا کر کھاتے ہیں۔

اس میں دو قسم کے منفز نکلتے ہیں۔ شیریں حصّہ بڑے آدمی مثل بادام کے کھاتے ہیں۔ اور تلخ حصّہ سے تیل نکالا جاتا ہے جو چرغ میں جلتا ہے۔ اور چھوٹے آدمی اس کو بجائے مکھن کے کھاتے ہیں۔ مغربی تبت میں خوبانی اس کثرت سے پیدا ہوتا اور کہا یا جاتا ہے کہ مشکل سے کسی بچّے کے دانت صحیح و سالم نظر آسکتے ہیں۔ اس شیریں گٹھلی کے توڑنے سے اکثر گر جاتے یا بدنما ہو جاتے ہیں۔ چائے کا استعمال قریب قریب ہر طبقہ کے لوگوں میں ہے۔ گھر میں اور جلسوں میں یکساں استعمال ہوتی ہے۔ ہر شخص کے پاس لکڑی کا ایک پیالہ رہتا ہے۔ جو شب کو سونے کی حالت میں بھی جدا نہیں ہوتا۔ دوستوں سے ملاقات کے لئے جاتے ہیں تو بھی ساتھ رکھتے ہیں پہنچتے ہی پیالہ نکال کر سامنہ رکھ دیا۔ اور چائے پیش کی گئی۔ چائے عجیب طریقہ سے تیار ہوتی ہے۔ پہلے پتیاں اُبالی جاتی ہیں۔ اور پھر ان کا بھرتا سا بنا کر اس میں مکھن ملائے اور خوب حل کرتے ہیں۔ بعد میں دودھ نمک اور سوڈا ڈال دیتے ہیں۔ آلات کشاورزی نہایت قدیم طرز کے رائج ہیں۔ غالباً حضرت آدم کے زمانہ میں بھی انہیں کا رواج ہوگا۔ جن کے مینہہ میں ہل چلائے کی رسم ادا کی جاتی ہے۔ پہلے زمین کی آبپاشی ہوتی ہے۔ پانی پہاڑی برف کے پگھلنے والے تو دوں سو بذریعہ نہروں کے لایا جاتا ہے۔ اس طریقہ سے پانی دینے میں اکثر جگہ کھڑے ہو جاتے ہیں۔ دامن کوہ کے چند قطعات ایک ہی نہر سے خاص اوقات میں سیراب ہوتے ہیں۔ جنگی باری کے دن تو یہ زمانہ سے مقرر ہیں۔ جب کسی روز برف نہیں پگھلتا۔ اور کسان اپنی چھوٹی سی

نہر کو بہتے ہوئے نہیں دیکھتا تو پھر اس کو ایک دوڑن انتظار کرنے کی تاب نہیں ہوتی وہ فوراً مقدس لاما کے دُعا و نماز کی طرف رجوع ہوتا ہے۔ گھاس کے پولوں کا ایک نریج بنا کر دھوپ کی تیزی کی دُعا مانگتا ہے۔ جو ان کے لئے ایسی ضروری ہے جیسی کہ اہل ہند کے لئے بارش کیونکہ آفتاب کی تہا زت برف کو کچھلاتی ہے۔ جب آبپاشی ہو جاتی ہے تو جتنی شروع ہوتی ہے۔ اس کے بعد کھا دیتے ہیں۔ یہ کھا د انسانا فی فضلہ کی ہوتی ہے۔ اس کی ایسی قدر ہوتی ہے اور ایک حد تک بجا بھی ہے۔ کہ کسی خانہ دان کا کوئی مُتَنَفَس دوسرے کے گھر میں حاجت روائی کے لئے ہرگز نہیں جاتا۔ اس کے بعد غلّہ بویا جاتا ہے۔ اور جب پک جاتا ہے تو چڑ سے اوکھیر کر جمع کر دیا جاتا ہے۔ دائیں اسی طریقہ سے ہوتی ہے جیسی کہ ہندوستان میں سارے پٹیر اکٹھے کئے جاتے ہیں۔ اور تب زویازو مو (گائے اور سرگائے) کی نسل کا جانور غلّہ کو دانتے ہیں۔ یہ طریقہ کفایت شکاری کے لحاظ سے برتا جاتا ہے۔ جب سارا غلّہ اکٹھا کر لیا گیا تو جو کچھ بیج رہا وہ آئندہ سال ضرور جم جائیگا۔ کاشت کار جاڑے کے موسم میں آرام کرتے ہیں۔ اور اپنی قلیل آمدنی کو بڑبڑانے کی غرض سے سوداگری کا مال ادھر ادھر بجانے کے لئے چھوٹے چھوٹے قافلے بنا لیتے ہیں۔ اُنکی آمدنی صرف اسی وجہ سے قلیل نہیں ہوتی کہ اُن کو سخت محصول ادا کرنا پڑتے ہیں۔ بلکہ ایک باعث یہ بھی ہے کہ ہر شخص جسکی ملکیت میں کچھ حصّہ زمین کا ہے وہ گورنمنٹ کی بیگار کرنے پر مجبور ہوتا ہے۔ یہ سختی زمینداروں کو زراعت کے عوض سوداگری کا پیشہ اختیار کرنے پر مجبور کرتی ہے اور یہی

قطعاً زمین چنیر اگر محصول نہ لیا جاتا۔ اور ان کے کاشت کاروں کو بیگار کی سختی نہ اٹھانی پڑتی تو آمدنی کا ذریعہ ہوتے اکثر پرتی پڑ جاتے ہیں۔ مال کی درآمد برآمد بذریعہ قافلوں کے ہوتی ہے۔ جن میں خچر۔ گدھے۔ ٹٹو۔ سُرگائے۔ اور بھیڑ سے بار برداری کا کام لیا جاتا ہے۔ ان کے علاوہ عورتیں اور مرد بھی حتمی کام کرتے ہیں۔ مذکورہ صدر جانور قدرتنا اس کام کے لئے ایسے موزوں ہیں کہ وہ پہاڑوں کے تنگ رستے بے خوف و خطر بہ آسانی طے کرتے ہیں۔ جہاں ایک طرف بلند پہاڑی چوٹیاں اونچی چلی گئی ہیں۔ وہاں دوسری طرف ڈھالو گھاٹیاں ہیں اور اُبلتے ہوئے چشمے بہ رہے ہیں ایک شخص ایک سو یا اس سے بھی زیادہ کی گلہ رانی کیلئے کافی ہوتا ہے۔ عموماً آدمیوں کی تعداد قافلہ کے ہمراہ قزاقوں سے محافظت کے خیال سے زیادہ ہوتی ہے۔ ہانکنے والا اپنے جانور کی گردن میں ایک گھنٹی باندھ دیتا ہے۔ جب تک گھنٹی بجتی رہتی ہے سارا گلہ آہستہ آہستہ چلتا رہتا ہے۔ لیکن اگر اس کو سٹھرنا منظور ہو تو صرف گھنٹی اتار لیتا ہے۔ اور فوراً سارا قافلہ کھڑا ہو جاتا ہے۔ خانہ بدوشوں کے قافلے میں صرف بھیڑیں ہوتی ہیں یہ ایسی بلند یوں اور رستوں میں جا سکتی ہیں۔ جہاں دوسرے جانوروں کے جانے کی ہمت نہیں پڑتی۔ سُرگائے کے قافلے خصوصاً برف کے تودے طے کرنے میں کام آتے ہیں۔ اس جانور کے پیر پرف پر نہیں پھسلتے۔ اس لئے سرد موسم میں بھی تجارت کی درآمد برآمد ناممکن نہیں۔ تجارت کے بڑے مرکز لہاسہ۔ شکالیسی۔ گردوک

اور روک اور لیہہ ہیں۔ تجارت بذریعہ تبادلہ مال کے بھی ہوتی ہے۔ اس لئے مشتری اور بائع دونوں اپنا مال ایک دوسرے سے بدلنے کے لئے لاتے ہیں۔ متذکرہ بالا سہ شہروں اور وسطی ترکستان مغربی چین اور شمالی ہندوستان کے درمیان بھی تجارت کا سلسلہ قائم ہے عورتیں بمقابلہ مردوں کے زیادہ محنتی ہوتی ہیں۔ اور ہر وقت کام میں مشغول رہتی ہیں۔ وہ نہ صرف زراعت کی مشقت اور تجارتی مال کے لیجانے میں مدد دیتی ہیں۔ بلکہ فرصت کے اوقات میں تمام وہ فرایض جو ایک ہوشیار خانہ دار خاتون کے شایاں ہیں۔ بخوشی انجام دیتی ہیں۔ کاتنا اور کترنا اون کے دودل خوش کن کام ہیں کپڑا بلی گھر میں رنگ لیتی ہیں۔ پارچہ بانی مردوں کے لئے مخصوص ہے۔ لیکن اس میں بھی عورتوں کی مدد ہمیشہ شامل رہتی ہے۔ ان کے آلات ایسے ہی ہوتے ہیں۔ جیسے کہ ہم ہندوستان کے ان مقامات میں اکثر دیکھتے ہیں۔ جہاں شائستگی کی روشنی کا عکس اب تک نہیں پڑا تقریباً ہر چیز سرگائے اور بھڑکی اون سے بنتی ہے حتیٰ کہ رسیاں اور اسیاب لے جانے کے پھیلے بھی اسی اون کے ہوتے ہیں۔ ابتدائی تعلیم ان لوگوں میں رائج ہے۔ ہر خاندان کو کم سے ایک لاما مہیا کرنا پڑتا ہے۔ جو ان کے معیار کے مطابق تعلیم یافتہ سمجھا جاتا ہے اور اپنے دوسرے کم نصیب بھائیوں کو تعلیم کی ترغیب دیتا ہے۔ اس لئے ہر اہلکار خواہ وہ کیسا ہی ذلیل اور ادلے طبقہ کا کیوں نہ ہو خاندانہ ہوتا ہے۔ ایک غیر ملک کا باشندہ تبت کی آبادی میں لکھے پڑے لوگوں کی بڑی تعداد دیکھ کر دنگ رہ جاتا ہے۔ ہمنے

اوپر ذکر کیا ہے کہ لاماؤں کی تعداد مردم شماری کا ایک چھٹا چھٹا حصہ ہے۔ جن میں بکثرت ایسے درویش شامل ہیں۔ جو سیاحی کرتے ہیں۔ اس لئے اہل تبت کو گشتی استادوں کی کمی نہیں۔ تعلیم فنون کی کسی حد تک ترقی ہے۔ ہنرمند کاریگری لہنجی صناعتی کا نازک سے نازک نمونہ تیار کر سکتے ہیں۔ لیکن خوش صنعی کی ہمیشہ اس میں کمی رہتی ہے۔ اس معاملہ میں خانقاہیں جنہیں اکثر لاما خود ہی بڑھئی سونا اور دیگر پیشیہ ور ہیں۔ دوسرے ہم پیشیہ لوگوں پر سبقت لے گئے ہیں۔ ان کا کام خوش وضع اور خوش قطع ہوتا ہے۔ جس سے ان کی اعلیٰ درجہ کی صناعتی کا اظہار ہوتا ہے۔ معمولی بڑھئی پانچ اوزاروں یعنی آری۔ رندہ۔ رکھانی۔ بسولہ اور ہتھوڑی سے کام کرتا ہے۔ ان میں سے اکثر قدیم وضع کے ہیں۔ لیکن جو چیزیں یہ لوگ صرف ان اوزاروں سے تیار کرتے ہیں۔ وہ ان بڑھئیوں کے لئے بھی قابل داد ہونگی جن کے پاس اس سے زیادہ سامان ہے یہ لوگ لکڑی پر نہایت ہوشیاری سے نقاشی کا کام کرتے ہیں۔ دیو دار اور بید پر نقاشی کا کام بہت اچھا بنتا ہے۔ سنگ تراشی کا کام بھی یہاں دستکاری میں شامل ہے۔ خصوصاً لہاسہ میں چائے کی بیالیاں۔ پائیپ کھانا پکانے کے برتن اور ہلاس کی ڈبیاں مختلف قسم اور اور مختلف رنگ کی پتھروں سے تراشی جاتی ہیں۔ یہ پتھر ایسے نایاب ہوتے ہیں۔ کہ ایک ہلاس کی ڈبیہ بعض اوقات ڈیڑھ سو ڈیہ کولتی ہے۔ سیاحوں نے یہاں کے آہنگروں کی بڑی تعریف کی ہے۔ تلوار کے پھل خصوصاً نہایت خوشنما طریقہ سے ترچھے کئے جاتے

ہیں۔ اور اس کے علاوہ دیگر اسلحہ میں بھی کوئی نہ کوئی صنعت ہوتی ہے۔ ایندھن کی قلت کی وجہ سے لوہے کی ڈھلائی محدود مقامات میں ہوتی ہے۔ یہاں اکثر دھاتیں ایسی ہیں کہ اگر یہ مشکل حل ہو جاوے تو ان سے بہت مفید کام لئے جا سکتے ہیں۔ امراد کے برتن ہمیشہ تانبے کے ہوتے ہیں۔ چائے دان کینکیوں اور برتنوں پر نہایت پر تکلف کام ہوتا ہے۔ دوائیں اور پائپ بھی اسی دھات کی ہوتی ہیں۔ تانبا جو دریا کی تہوں میں ہوتا ہے عبارت کی چیزوں کے بنانے میں کام آتا ہے۔ خصوصاً دعا کے ٹھپے جو تبت میں عام طور سے ریلج ہیں۔ اسی سے بنائے جاتے ہیں۔ قیمتی دھات کی دستکاری کے مقابلہ میں متذکرہ بالا پیشہ وروں کی یہاں زیادہ ضرورت ہے ہندوستان کی طرح یہاں بھی سونے اور چاندی کا کام سنا رہی کرتا ہے۔ یہ لوگ اپنی کل آمدنی زیورات میں صرف کر دیتے ہیں۔ لیکن نقلی اور مصنوعی چیزوں سے ان کو از حد نفرت ہے۔ خانقاہوں کے سنا دو سرے کاری گروں پر کام کی نفاست اور خوش ضمنی میں سبقت لے جاتے ہیں۔ نقرئی دعا کے پہئے طلائی مرصع کار قرنائیاں۔ عھماً۔ شمعدان۔ اور بتوں پر نہایت دقیق نقاشی ہوتی ہے۔ اور بمقابلہ دیگر مقامات کے خانقاہوں میں یہ چیزیں نہایت خوبی کے ساتھ تیار ہوتی ہیں۔ ہم ان پر ذکر کر چکے ہیں کہ اہل تبت زراعت پیشہ ہیں۔ اس لئے لازمی نتیجہ یہ ہے کہ ان میں دوکاندار کم ہوں حتیٰ کہ بڑے بڑے شہروں میں بھی صرف چند دوکاندار ہیں۔ یہ کہنا بیجا نہ ہوگا کہ ہر خاندان میں خود ہی دوکاندار بھی موجود ہیں اس لئے کہ

کوئی گھرانہ حتی المقدور کسی پیشہ ور سے خالی نہیں ہوتا۔ ہر خاندان کے غلہ گودام اور چوپایوں کے گلے علیحدہ ہوتے ہیں۔ اگرچہ کپڑا بننے والے جا بجا ملتے ہیں۔ لیکن بالعموم کپڑا لوگ گھر ہی میں بن لیا کرتے ہیں۔

روپیہ۔ تبادلہ کا ذریعہ ہونے کی حیثیت سے اب رواج پاتا جاتا ہے۔ بیشتر چینی نیپالی اور کشمیر سے لے کر راج تھے۔ لیکن چونکہ اب کشمیر میں سرکار انگریز کا سکہ رائج ہو گیا ہے۔ اس لئے تبت میں بھی اس کی مانگ ہو چلی ہے۔ یہ لوگ لمبو (چاندی کا قرص) بطور سکہ کے استعمال کرنے میں جنہیں بعض بڑے بڑے ہوتے ہیں۔ اور قیمت میں ایک سو ساٹھ روپیہ تک کے ہوتے ہیں۔ لیکن یہ صرف بطور سرمایہ کے جمع کئے جاتے ہیں۔ تجارتی کاروبار عموماً تبادلہ اشیاء کے ذریعہ سے ہوتا ہے۔ ترازو کار راج مفقود ہے۔ بعض مقامات میں یہ لوگ ایک لکڑی لھب کر لیتے ہیں جس کے ایک جانب ایک پلہ معمولی طریقہ سے لٹکا دیتے۔ اور دوسری طرف ایک مختصر سا وزن باندھ دیتے ہیں۔ غلہ اور نمک کے لئے لکڑی کا پیمانہ بناتے ہیں۔ جو پالہ نہا ہوتا ہے۔ گھاس اور بھوسہ وزن کرنے کے لئے اونی تھیلے استعمال کئے جاتے ہیں۔ کپڑے کی پائش ہاتھوں سے کرتے ہیں۔ تانبا جو کھنے کا طریقہ ویسا ہی ہے۔ جیسا کہ ایک غیر تعلیم یافتہ سادہ لوح شخص کے ذہن میں طبعاً آسکتا ہے۔

## چھاباب

### پیدائش

پچھلے ابواب میں تبت کی ملکی حالت اور باشندوں کے طرز معاشرت

پر بحث کی گئی ہے۔ آگے چل کر ہم ان کے تمدن اور ان رسومات کا ذکر کریں گے۔ جو انسانی زندگی میں پیدائش شادی اور موت کے خاص موقعوں پر برتی جاتی ہیں۔ بچے کی ولادت کے موقع پر بڑی خوشی منائی جاتی ہے۔ پیدائش سے ٹھیک ایک مہینہ بعد کل عزیز واقارب مدعو کئے جاتے ہیں۔ جنکی ضیافت ہوتی ہے۔ ہر مہمان زچہ کے لئے تحفے لاتا ہے۔ جسے والدین اس موقع کی یادگار کے طور پر رکھتے ہیں۔ مہمان کھانے کے واسطے پالٹھی مار کر بیٹھے ہیں۔ کھانا ختم ہوتے ہی بیند کا دور چلتا ہے۔ ان تحائف کی نذر دینے کا طریقہ نہایت کھرا ہے۔ تحائف مختلف قسم کے اور ہر موقعہ کے مناسب ہوتے ہیں۔ شادی وغنی کے موقعوں پر باغزیں اور دوستوں کے یہاں آمد و رفت میں جو تحفہ پیش کیا جاتا اور منظور ہو جاتا ہے۔ اس کی یادداشت کاغذات میں نہایت صحت کے ساتھ درج کی جاتی ہے۔ اگر کسی موقعہ پر ایک شخص کو تحفہ نذر کیا گیا۔ تو دوسرے موقعہ پر نذر کنندہ اس سے دوگنی قیمت کی چیز نذر پانے کا مستحق ہو جاتا ہے۔ لیکن اگر دوستانہ مراسم کسی وجہ سے سرد ہو جائیں۔ تو مساوی قیمت کی کوئی چیز اس کو واپس کرنی پڑتی ہے۔ اور اگر وہ از خود واپس نہ کرے تو بذریعہ عدالت واپس لی جاتی ہے۔ خوشحال گھروں میں لڑکی کے پیدائش کے موقعہ پر معمولی سے زیادہ شادمانی کا اظہار ہوتا ہے۔ اگر اہل تبت اور ہندوستانیوں کے رسومات کا موازنہ کیا جاوے۔ تو اکثر معاملات میں ایک حیرت انگیز تفاوت نظر آتا ہے۔ خصوصاً ان تقریبات میں اس سے زیادہ موازنہ نہیں ہو سکتا تھا۔ تبت اور ہندوستان کے خیالات میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ ہندوستان میں مناکحت

کے بعد زن دشوہر کی پہلی خواہش اولاد ذکر کے لئے ہوگی۔ برخلاف اسکے تبت میں خونچال والدین اولاد اناث کی تمنا کریں گے۔ لڑکی کا عقد اسکے والدین کے لئے دو چند مسرت کا باعث ہوتا ہے۔ کیونکہ لڑکی کو اپنے شوہر کے گھر جانے کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ برعکس لڑکا حسبِ ولج اپنے سُسرال کو چلا آتا ہے۔ یوں کہنا چاہئے کہ دولہا اور دولہن کے نام بدل جاتے ہیں اور صرف نام کی ظاہری تبدیلی نہیں ہوتی بلکہ فی الحقیقت بین فرق ہو جاتا ہے۔ دولہن اپنے شوہر پر اس وقت سے حکومت کرتی ہے اور دولہا اس ساعت سے زن مریدی کی تلخ زندگی بسر کرتا ہے۔ دوسرا باعث اس کی مسرت کا یہ ہوتا ہے کہ اس باہمی تعلق سے اس گھر کو ایک اچھا خاصہ بے دامن غلام ہاتھ آتا ہے۔ اگر کام چور ہو تو بھی کچھ مضائقہ نہیں۔ اس لئے کہ بے کوڑی پیسے کا غلام ہے۔ تبت کے امیر گھرانوں میں لڑکی کا پیدا ہونا ہی ایک ایسا پنتھ ہے جس سے دو کلج ہوتے ہیں۔ تبت کی مستورات اپنے بچوں کو ملک کی شدید آب و ہوا سے محفوظ رکھنے کے لئے عجیب و غریب طریقہ اختیار کرتی ہیں۔ ایک اونٹنی یا سوئی کپڑے کا تھیلا بنا کر اس میں بکری کی خشک مینگیاں بھر دیتی ہیں اور بچہ کو اس کے اندر ڈال دیتی ہیں۔ اس ذریعہ سے بچہ کی جسمانی حرارت اس وقت تک کہ وہ موسم کے سرد گرم کا متحمل نہ ہو جاوے قائم رہتی ہے۔ اس جھولے میں جس کو حُسنِ قدرت کیسی دہشت کی نگاہ سے دیکھتا ہو گا یہ بچہ مختلف زمانہ تک رہتا ہے۔ جس کی میعاد کم سے کم ایک ہفتہ اور زیادہ سے زیادہ ایک سال ہے۔ غالباً اسی غلیظ جھولے کی کثافت ہے جو عمر بھر کے لئے تبتی آدمی کی طبیعت میں جانوروں کی سسی گندگی پیدا کر دیتی ہے تاہم

پیدائش سے ایک سال بعد نام رکھنے کی رسم ادا کی جاتی ہے۔ بچہ کو لوگ کسی لاما کے پاس لے جاتے ہیں۔ جو اس کا نام منتخب کرتا ہے۔ یہ کام مذہبی مراسم کے ساتھ انجام دیا جاتا ہے۔ جس کے معاوضہ میں لاما کو والدین اپنی حیثیت کے مطابق نذر دیتے ہیں۔ یہ مجمع مکان پر واپس آ کر دعوت کھاتا اور خوشی مناتا ہے۔ اگر بچے کو لاما بنا نا منظور ہے تو اس نام کے علاوہ اس کو لاما کنجک یعنی ولی اللہ کا لقب ہوتا ہے۔

تبت کی عورتوں کی سوشل زندگی کا تذکرہ ہندوستان کے رہنے والوں کے دلوں کو دھلا دھکا دینا یہ کہنا بالکل مبالغہ نہ ہوگا۔ کہ جو خیالات آج یورپ میں پھیلے ہوئے ہیں وہ ان سے قاطبتاً مختلف ہیں جو اہل تبت کے میں۔ عورتوں کی آزادی انتہائی درجہ پر پہنچ گئی ہے۔ و حقیقت وہ بدبخت گروہ مردوں ہی کا ہے جس کو اپنے حقوق کے لئے کسی آئندہ دنیا میں تحریک کرنی پڑیگی۔ موجودہ حالت میں گروہ ذکور اپنی مردانہ وار طاقت کے ذریعہ سے زندگی کی بہت سی دشواریوں کو طے کرتا ہے لیکن ملک میں کسی ایسے قانون یا رسم و رواج کی جگڑ بندی نہیں ہے جس سے مردوں کو مستورات کی اطاعت شعاری سے آزادی حاصل ہو سکے۔ انگلستان میں مستورات کی سوشل حالت کا ذکر کرتے ہوئے اس اطاعت شعاری کو پامال شدہ کے لقب سے مخاطب کرتے ہیں۔ ایسا ہونا ممکن ہے۔ کہ یہاں کی سوشل حالت ایک مرتبہ پلٹا کھائے۔ یورپ میں اس کا ہنہ کی بابت کیا خیال کیا جائیگا۔ جو کسی ایسے خانقاہ کی عقل کل ہو۔ جس کے ممبر مرد ہی مرد ہوں۔ تبت کی مستورات کسی رسم و رواج کی پابند نہیں ہیں وہ بے پردہ باہر نکلتی ہیں۔ اور مردوں سے علانیہ

لمتی جلتی ہیں۔ ان کی خوشی میں شریک اور ان کے کاروبار میں شامل ہوتی ہیں۔ ان کی محنت میں حصہ لیتی ہیں۔ اور کاشتکاری کی مشقت میں ان کا ہاتھ بٹاتی ہیں۔ تہمت کی تمدنی حالت کے لحاظ سے ایک مرد اور ایک عورت کا تعلق ناکافی ہے۔ یہاں ہر ممکن طریقہ شادی کا رائج ہے لیکن ایک عورت کے متعدد شوہر ہونے کا طریقہ زیادہ مروج ہے۔ اور اکثر لوگ اس طریقہ کو پسند کرتے ہیں اکثر عورتوں کے چار شوہر تک ہوتے ہیں ایک عورت کے متعدد شوہر ہونے کا رواج کسی اسلامی سلطنت کے کثیرالازدواجی کے رواج کے مقابلہ میں بہت زیادہ ہے۔ وہ یہ ہے کہ ایک سے زیادہ عورت کے ساتھ ساتھ شادی کرنا ایک قسم کی فضول چرچی ہے۔ جو صرف خوشحال لوگوں کے لئے مخصوص ہے۔ لیکن ایک سے زیادہ شوہر کرنا اصول کفایت شعاری میں داخل ہے۔ یہ طریقہ یقینی کسی ذی ہوش مذہب نے کفایت شعاری پر لحاظ کر کے ایجاد کیا ہوگا۔ اس لئے کہ ملک کے بجز ہونے اور نقل مکان کی دشواری سے اہل تہمت نے جو سردی میں بلندیوں پر رہنے کے عادی ہیں۔ نشیب میں اترنا جان کے لئے مخدوش سمجھ کر یہ التزام رکھا ہے کہ ملک کی آبادی میں ترقی نہ ہونے پاوے اور ان کے مقصد میں کسی حد تک کامیابی بھی ہوئی۔ آبادی کی کثرت جو افلاس شکتہ حالی اور جبرائیم کا سبب ہے۔ یہاں مفقود ہے۔ یہ لوگ عموماً خوش حال اور آسودہ ہیں۔ ایک سے زیادہ شوہر والی خانہ داری کا خاکہ یوں ذہن نشین کرنا چاہئے کہ خاندان کا بڑا بڑا کا جب شادی کے قابل ہوتا ہے۔ تو وہ خود یا اس کے والدین لڑکی تلاش کرتے ہیں۔ دولہن کے انتخاب کے بعد شادی ہوتی ہے اگر دولہن کے دو چھوٹے بھائی اور ہیں تو

وہ بھی اپنے بڑے بھائی کے حق شوہری میں شریک ہو جاتے ہیں۔ اور صرف یہی ایک ایسا معاملہ ہے۔ جس میں عورت بے بس ہوتی ہے خواہ وہ ان دونوں بھائیوں کو پسند کرے یا نہ کرے۔ اس کو مجبوراً تسلیم خم کرنا پڑتا ہے اور کرتی ہے۔ بڑا بھائی بھی اس تعلق کو نہیں روک سکتا۔ یہ امر تعجب انگیز ہے کہ کس لاپرواہی اور ٹھنڈے دل سے زن و شواہل تعلق کو جائز رکھتے ہیں۔ ایک عورت کے تین سے زیادہ شوہر ایک ہی خانہ ان سے نہیں ہو سکتے۔

بعض اوقات عورت ایسے تین شوہروں پر قناعت نہیں کرتی بلکہ کسی غیر خاندان سے چوتھا منتخب کرتی ہے۔ لیکن ایسا شاذ و نادر ہوتا ہے۔ یورپ اور عیسائی ممالک کی مستورات جہاں ایک ہی شادی کا دستور ہے۔ اندازہ نہیں کر سکتیں کہ ایشیا کے بعض ممالک کی عورتیں کیونکر ایک سے زیادہ شوہر کو جائز رکھتی ہیں۔ یا یہ کہ چند عورتیں ایک ہی شوہر کی زوجیت میں کیسی ظاہر اسرومہری کے ساتھ بسر کرتی ہیں لیکن تہمت کے طبقہ اناٹ نے اپنے دوسرے ملک کی بہنوں کا عوض طبقہ ذکور سے اچھا لیا۔ اور انہوں نے اپنی لاپرواہی اور ضبط سے یہ دکھا دیا کہ متعدد شوہر ایک ہی عورت کے شریک کیسے ہو سکتے ہیں۔ اس ملک کی مستورات نے سیاہوں کو یقین دلادیا ہے کہ ان کو اپنی مغربی بہنوں پر بڑا ترس آتا ہے کہ وہ ایک ہی شوہر کو نچھوڑتی ہیں اور یہ نہیں سمجھتیں کہ متعدد شوہروں کی فیاضی اور ثروت سے ایک عورت کیسی مالدار اور آسودہ حال ہو سکتی ہے اس لئے کہ ان میں سے ہر فرد اپنی مشترکہ زوجہ کے لئے سامان عیش و آرام ہم پہنچانے میں ہم خیال ہوتا ہے۔

اس عجیب و غریب جمعیت سے جو اولاد پیدا ہوتی ہے وہ بڑے شوہر کی سمجھی جاتی ہے سچے سب کو مثل اپنے والد کے سمجھتے اور چھوٹا اور بڑا باپ کہتے ہیں اور جیسا کہ امیڈ کی جاتی ہے۔ باپ اور بیٹوں میں بہت کم محبت ہوتی ہے۔ بچوں کی یہ ایک عام عادت ہے کہ جب کبھی وہ قسم کھاتے ہیں تو اپنے ماں کے خون کی (Ameshe) ان کے نزدیک یہ سب سے زیادہ متبرک چیز ہے۔

لفظ۔ کیا (Pakpa) دولہا کے لئے استعمال ہوتا ہے اور اسی معنی کے انگریزی لفظ (Bridegroom) سے اتنا ہی مطابق ہے جتنا کہ دونوں اقوام کے خیالات۔ اس صورت میں دولہن کو کیا (Zakpa) کہتے ہیں لیکن اگر دولہن اعلیٰ مرتبہ کی ہے اور جیسا کہ بیان ہو چکا ہے نہایت حوصلہ اور انبساط کے ساتھ یہاں لگتی ہے تو ایسی دولہن کیا ہونے کا صرف دعویٰ ہی نہیں کرتی بلکہ پیرا بھی کرتی ہے۔ تختہ زانی کی زندگی میں اس کی حالت خاص طور سے بہتر سمجھی جاتی ہے۔ مال و متاع کی مالک اور ذی اختیار ہوتی ہے۔ شوہر کے یہاں جانا نہیں پڑتا بلکہ اس بیچارے کو خود ہی اس کے گھر آنا پڑتا ہے۔ ظاہر ہے کہ شوہر اپنے عزیز و اقارب کو کیونکر اس سے مکان میں لاسکتا ہے۔ وہ بحیثیت کیا ہونے کے اپنی بی بی کی ملکیت ہے۔ اور ہر وقت گھر سے نکالا جاسکتا ہے لیکن فی الواقع ایسا بہت کم ہوتا ہے بالفرض اگر علیحدگی عمل میں آوے تو یہ خاتون اپنے سابق شوہر کو کسی قدر روپیہ یا کوئی تحفہ بطور معاوضہ کے دیدیتی ہے۔ یہ دریافت ہونا مشکل ہے کہ یہ معاوضہ کس غرض سے دیا جاتا ہے۔ شاید اس کے شکستہ دل کو تسلی

بخشنے کے لئے ہو۔ اب اس کو دوسرے شوہر کی تلاش ہوتی ہے جو پہلے کے بہ نسبت غلامی کے لئے زیادہ موزوں ہو۔ کچا کے حقوق بہت کم ہوتے ہیں۔ مثلاً ایک واقعہ بیان کیا جاتا ہے جو میرے ذاتی تجربہ میں آچکا ہے۔ ندرام ایک کلون (سردار) تھا جو سابق وزیر اعظم کے خاندان سے تھا۔ وہ ایک بیوہ اور ایک لڑکی چھوڑ کر جو ان مر گیا۔ اس کا ایک اخیانی بھائی بھی تھا۔ جو اس کے باپ کلون گو بند رام کا بیٹا دوسری ماں سے تھا۔ اس کی عمر اس وقت صرف ۱۱ سال کی تھی تو میرا کی گھائی میں رہتا تھا۔ اور ابائی جائیداد کا حقدار بھی تھا۔ اس عزیز لڑکے کو اس کے اخیانی بھائی کی بیوہ جسکی عمر اس وقت ۲۵ برس کی تھی اپنے گھر لے آئی۔ اور اس کو اپنا لپکا یعنی آئندہ شوہر تسلیم کیا۔ بعد چندے لپکا کو باوجود آبائی میراث کا حقدار ہونے کے سلیم صاحب نے نہایت بے دردی سے نکال دیا اور حقوق سے بے دخل کر دیا۔ آخر اس کی خوش نصیبی سے یہ عورت اور اس کی بیٹی دونوں مر گئیں۔ اور گورنمنٹ کشمیر نے اس لڑکے کی دستگیری کی ایک سے زیادہ عورت بھی مرد کے لئے جائز ہے۔ لیکن اہل تبت میں متعدد بیویوں کے بار کفالت کی قدرت نہیں۔ اگرچہ وہ اولاد کی خاطر جو ان کو جبر یہ محنت سے جوہر کاشتکار کے لئے لازمی ہے نجات دلوانے میں کام آتی ہے کثیر الازدواجی کی جانب راغب ہو جاتے ہیں۔ اگر ایک شخص دو لہند ہے یا اس کی پہلی بیوی سے اولاد نہیں ہے۔ تو وہ دوسرا شادی اور اگر اس سے بھی اولاد نہ ہو تو تیسری کر سکتا ہے۔ جب تک یہ تینوں زندہ ہیں وہ چوتھی شادی نہیں کر سکتا لیکن اگر ان میں سے کوئی مر جاوے تو اس کے عوض میں دوسری شادی کر کے اس کی کوہرا

کر سکتا ہے۔ اگر ایک شخص اور اُس کے بھائی کی مشترکہ تین عورتیں ہیں۔ اور یہ سب لاولد ہیں تو اُن کو بھی چوتھے عقد کرنے کی اجازت نہیں ہے بلکہ ایک اور جدید شوہر تلاش کر کے اُس سے مدد حاصل کر سکتے ہیں۔ اور اگر اس تدبیر میں بھی ناکامیابی ہو تو پانچواں شوہر کیا جاسکتا ہے۔ بس یہ انتہائی تعدا ہے۔ خاندان کا سلسلہ نسب محفوظ رکھنے کے لئے تہتیت کا مقررہ طریقہ اختیار کیا جاتا ہے اور بچے کے انتخاب کا حق شوہر اکر اور زوجہ کو حاصل ہوتا ہے۔ ان طریقوں کا رواج پہلو بہ پہلو مردم شماری کو اوسط درجہ پر قائم رکھنے کے لئے مجدد معادل ہوتا ہے۔ محض کثرت آبادی ایسا نقص نہیں ہے جس سے احتراز کیا جاوے۔ بلکہ ساتھ ہی اسکے قلت کی طرف بھی نظر رکھنی پڑتی ہے۔ اگر صرف ایک سے زیادہ شوہر کرنے کی رسم یہاں جاری ہوتی تو آبادی میں بہت کمی ہو جاتی مثلاً بھاشا بالا اگر مرد اور عورتیں قلیل تعداد میں رہ جاویں تو اسی نسبت سے دولت مند بھی ہونگے اس لئے اس ملک میں زمین صرف چند آدمیوں کے قبضہ میں ہے۔ لیکن اگر مرد نے ایک سے زیادہ شادی کر لی۔ اور عورت حتی الامکان زن مرید شوہر کرتی ہے تو مردم شماری کے کمی جلد پوری ہو جاتی ہے۔

ایسا خیال ہے کہ ایک سے زیادہ شوہر کرنے سے جذام کا مرض پیدا ہو جاتا ہے خواہ اس کے ثبوت میں کتنی ہی وجوہات کیوں نہ پیش کیجائیں۔ یہ الزام یقیناً بے بنیاد ہے۔ اس لئے کہ تہتیت میں جذام کا مرض معدوم ہے +

# ساتواں باب

## شادی

ہندوستان میں صغیر سنی کی شادی اور بیوگی کی جبریہ زندگی بسر کرنے کا طریقہ دیکھ لینے کے بعد جب آدمی تبت میں داخل ہوتا ہے تو یہ معلوم کر کے قلب کو ایک عارضی اطمینان حاصل ہوتا ہے کہ یہاں بچپن کی شادی اگر اصولاً جائز بھی ہے۔ تو اس کا رواج ہرگز نہیں۔ اور بیوہ عورت اپنے باقی ماندہ ایام میں ماتمی لباس زیب تن کرنے کے لئے کسی طرح سے مجبور نہیں۔ دس سال کی عمر کے بعد تبت میں لڑکی کی شادی کر دی جاتی ہے لیکن بدھ اور آرخون دونوں میں عموماً ۱۴ برس کی عمر تک انتظار کرتے ہیں۔ عام طور سے ایک نوجوان آدمی کی شادی بیس سال کی عمر میں ہوتی ہے۔ اس کے بھائی جو بیوی کے شریک ہوتے ہیں چودہ اور اٹھارہ کے درمیان میں ہوتے ہیں۔ نسبت کے معاملہ میں لڑکے اور لڑکی کو بہت کم دخل ہوتا ہے۔ والدین اپنے نیک نہاد بزرگ اعزہ کی مدد سے جنگو بزرگی تلاش میں خاص ملکہ ہوتا ہے اس کام کو انجام دیتے ہیں۔ دوہلہن کے حسن کی کچھ قدر نہیں کی جاتی حسین لڑکی یقیناً تکلیف دہ ثابت ہوتی ہے اس لئے بدھ لوگ نہایت عقلمندی سے اس شخص کو نظر انداز کرتے ہیں۔ دوہلہن متمول ہونا نہایت ضروری بات ہے۔ اور اگر ساتھ ہی اس میں اپنی جائیداد کے انتظام کرنے کا مادہ بھی موجود ہے تو

سبحان اللہ خواہ کتنے ہی عیب اُس میں کیوں نہ ہوں، جسکی تلافی ہو جاتی ہے جب والدین نے ایسی لڑکی کا جس میں اُن کے نزدیک بیوی بننے کے ضروری اوصاف موجود ہیں انتخاب کر لیا تو لا مابلایا جاتا ہے۔ اور اُس سے دریافت کیا جاتا ہے۔ جو ہندوستان کے برہمنوں کی طرح اپنی پتی کھول کر پڑھنا شروع کرتا اور معلوم کرتا ہے کہ آیا دونوں کے خط تقدیر ایک ہی رستہ پر واقع ہیں یا نہیں۔ اگر جواب نفی میں ہو تو نسبت ترک کرنی پڑتی ہے۔ اور پھر دوسرا جلسہ اقربا کا کیا جاتا ہے جس میں نہایت بحث و مباحثہ کے بعد شاید بمقابلہ پیشتر کے بہتر انتخاب ہوتا ہے۔ اگر تجویز ثانی کرنے کے بعد دونوں کی قسمتیں لڑکیوں میں۔ تو نسبت منظور ہو جاتی ہے۔ ایک اور عجیب و غریب طریقہ منگنی کا یہاں رائج ہے جو زیادہ غور طلب مگر انتہا درجہ کا بیہودہ ہے۔ وہ یہ کہ اگر کوئی بچہ چھٹا جائیداد یتیم ہو گیا ہو تو وہ فوراً کسی عورت کے ساتھ منسوب کر دیا جاتا ہے۔ جو اُس کے بچپن میں رضاعت کا کام کرتی ہے اور جب اُس کا یہ نو تہال شادی کی عمر کو پہنچ جاتا ہے تو اُس کی بیوی بن جاتی ہے دولت کے دلدادہ اہل تبت کے نزدیک جہیز کا مسئلہ نہایت اہم ہے نسبت کے وقت اُس کا تعین کر لیا جاتا ہے جو عین شادی کے موقعہ پر یا بعض اوقات اُس کے بعد دیا جاتا ہے۔ منگنی اور شادی کے درمیان کا وقفہ یا زمانہ کورٹ شپ چند ہفتوں سے لیکر ایک سال تک ہوتا ہے۔ نسبت کے دن دولہا نیند کا ایک۔ قوح لے کر اپنی منسوبہ کے مکان پر جاتا ہے جو لوگ وہاں جمع ہوتے ہیں وہ شادی کی تاریخ مقرر کرتے ہیں۔ مقررہ دن کی آمد تک دولہا کا

فرض ہے کہ اپنی منسوبہ دلہن کے لئے اپنے کھانے اور نمینہ کا ایک حصہ روزمرہ بھیجا کرے۔ بعد چندے اُس کو اپنی خوشدامن کے لئے تحفہ پیش کرنا ہوتا ہے جو قیمت میں اُس کی حیثیت کے مطابق ہوتا ہے۔ ہم اب شادی کے رسومات کا ذکر کرتے ہیں۔ جو عجیب و غریب اور بے ڈھنگے طرز پر برتی جاتی ہیں مقررہ تاریخ پر نوشہ کے عزیز واقارب اُس کے مکان پر جمع ہوتے ہیں۔ اور فریق ثانی کے اعزاء کا جمع عروس کے مکان پر ہوتا ہے۔ ایک مختصر سی جماعت ۵ یا ۷ آدمیوں کی جس میں نوشہ بھی شامل ہوتا ہے۔ تجویز کو عملی شکل میں لانے کے لئے مدعا نہ ہوتی ہے۔ عروس کے احاطہ مکان کے دروازہ پر اُس کی اعزاء بطور دربان کھڑے ہو جاتے اور نوشہ کو اندر جانے سے روکتے ہیں۔ یہ محافظ کچھ نقد لیکر راضی ہو جاتے ہیں۔ اور نوشہ ہمہ تن مشتاق اندر داخل ہوتا ہے۔ اس احاطہ میں داخل ہو کر ایک دوسری مصیبت کا سامنا ہوتا ہے مکان کے دروازہ پر مستورات کھڑی ہوتی ہیں۔ وہ اس مداخلت پر نمائشی ناراضگی کا اظہار کرتی ہیں اور نوشہ کو چھوٹی چھوٹی نازک چھڑیوں سے مارتی ہیں۔ لیکن وہ نہایت فزاح وصلگی سے ان کو زرقند پیش کرتا ہے۔ جس پر ان کا غصہ ٹھنڈا ہو جاتا ہے۔ اور مخالفت کم ہو جاتی ہے۔ تب وہ اندرون خانہ داخل ہوتا ہے۔ جہاں اُس کے دوستوں کا غیر مقدم مناسب طریقہ سے کیا جاتا ہے۔ لڑائی والے اپنی حیثیت کو مطابق نہایت پر تکلف ضیافت کرتے ہیں نمینہ کے دربارہ گاجا اور قص دسرو صبح تک برابر جاری رہتے ہیں۔ اس اشاک میں ایک سربراہ اور وہ شخص مسہ چند نبرگوں کے باورچی خانہ کو جاتا ہے اُس کے چھپے چھپے عروس کو والدین اور اعزاء ہوتے ہیں۔ یہاں یہاں بیٹھ جاتے ہیں اور اپنا اپنا پیالہ سامنے رکھ لیتے ہیں عروس کے دو عزیز ایک مرد اور ایک عورت اس حلقہ نشست

چکر لگاتے ہیں مرد پیالوں کو بھر دیتا ہے اور عورت جس کے ہاتھ ہیں ایک چمڑی ہوتی ہے۔ بلا تکلف اُس ہان کو مار دیتی ہے جو ذرا بھی اُس کے پینے میں تکلف کرتا ہے۔ جب یہ دور ختم ہو جاتا ہے۔ تو لوگ مکان کے دوسرے قطعہ میں چلے جاتے ہیں۔ جہاں دو لہا اور دو لہن کے دو قائم مقام بیت بازی کرتے ہیں۔ ہر ایک اپنے فریق کی بیخ سہ لئی کرتا ہے۔ یہ اشعارنی البصیف نہیں کئے جاتے بلکہ ان نظموں اور قصیدوں سے منتخب کئے جاتے ہیں جیسے مواقع کے لئے مخصوص ہوتے ہیں۔ اور جبکا اس ملک میں ایک معقول ذخیرہ ہے بعض اوقات چالیس قصیدوں تک کی نوبت آجاتی ہے۔ پہلے قصیدہ کے اشعار نوشہ کی شان میں ہوتے ہیں جو عروس کا عزیز اور اُس کی جماعت کا قائم مقام پڑتا ہے۔ اس کا جواب فریقِ ثانی دوسری نظم میں دیتا ہے۔ جو عروس کی شان میں ہوتی ہے۔ یہ رسم اس وقت ختم ہوتی ہے جب کسی فریق کی یادداشت ظاہر جائے اور اُس کو کوئی شعر یاد نہ آوے یہ ایک قسم کا حافظہ کا مقابلہ ہوتا ہے۔ جو فریق اپنے مخاطب کا جواب دینے میں ناکامیاب ہو اُس کو کچھ زرقند دینا پڑتا ہے۔ اگر زرقند دے سکے تو ایک بکر بطور جرمانہ کے۔ اس ایکٹ کے بعد پردہ گر جاتا ہے اور دوسرا سینہ استقبال کے گمراہ کا پیش نظر ہوتا ہے گمراہ کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک ایک ڈوری بنہ ہی ہوتی ہے جس پر عروس کے والدین عمدہ عمدہ پوشاکیں اور زیورات لٹکادیتے ہیں۔ ایک یکس میں کچھ زرقند بھی ہوتا ہے یہ سب چیزیں دو لہن کو چہنیز میں دیکھائی ہیں۔ ان سب اشیا کی ایک فہرست مرتب ہوتی ہے۔ اور اس شاندار واقعہ کی یادگار میں محفوظ رکھی جاتی ہے یہ چیزیں ایک سربراہ اور شخص کے سپرد کر دی جاتی ہیں اُس کے بعد دو لہن کی رخصت کا تقاضا شروع ہوتا ہے۔ یہاں ایک

نئی دقت پیش آتی ہے۔ سچ ہے کوچے عشق کی راہن ہمیشہ نامہوار ہوتی ہیں۔ اور خصوصاً بت سے پہاڑی ملک میں۔ اب دولہن کا پتہ ہمیں لگتا اُس کی بہنیلیاں جدائی کے خیال سے اُسے پوشیدہ کر دیتی ہیں۔ اور عزیز واقارب تلاش کرتے کرتے حیران ہو جاتے ہیں۔ آزمودہ تدبیریں عمل میں لائی جاتی ہیں جو اکثر راست آتی ہیں۔ عروس برآمد ہوتے ہی گریہ و زاری شروع کر دیتی ہے۔ ماں کے پاس خصمت ہونے آتی ہے اور یہ اظہارِ رضامندی اس کا پاؤں پکڑتی ہے غالباً یہ رضامندی شوہر کے انتخاب کے بابت ہوتی ہوگی۔ اسپطرح سے وہ اپنے سب اعضا اور کے پاؤں پکڑتی ہے۔ تب وہی سربراہِ درودہ شخص ایک خوب چوڑے کناروں کا ٹوپ سا اُس کے سر پر اوڑھا دیتا ہے اس میں ایک خاص نمونے کی اوڑھنی چاروں طرف لٹکی ہوتی ہے۔ اُس کے بعد اُس کا چچا اپنی پیٹھ پر اٹھا کر اُس مقام پہلے جاتا ہے جہاں ایک گھوڑا اُس کے انتظار میں کھڑا ہوا ملتا ہے۔ اب نوشہ کے مکان کو ایک جلوس روانہ ہوتا ہے وہی سربراہِ درودہ شخص گھوڑے پر سوار آگے آگے ہوتا ہے اور باقی نوشہ کے براتی اُس کے پیچھے پیچھے گھوڑوں پر سوار ہوتے ہیں نوشہ مشرقی رولج کے مطابق عروس کے پیچھے ہوتا ہے۔ آج نہ یہ ایک دوسرے کو دیکھتے ہیں نہ ان میں کوئی بات صحبت ہوتی ہے۔ عروس کی سہیلیاں باجے والے اور تاشائی سب سے پیچھے ہوتے ہیں۔ راستہ میں جن مکان بگیاؤں سے اس برات کا گزر ہوتا ہے وہاں سے گاؤں والے ستوا کھین کی نذریں لے کر آتے ہیں۔ سربراہِ درودہ شخص بظنر اظہارِ قبولیت ان پر ہاتھ رکھ دیتا ہے۔ اور اُس کے عیوض میں لانے والے کو کوئی تحفہ دیدیتا ہے۔ نوشہ کے مکان کا دروازہ کھلا ہوا ملتا ہے۔ یہاں چند لامادروازہ کے سامنے منتظر ملتے ہیں۔ نوشہ اور کل جماعت گھوڑوں سے اترتی ہے۔ آخر کار ہمارے

سادہ مزاج نوجوان کی زبان کھلتی ہے اور وہ اپنی دولہن سے اُترنے کی درخواست کرتا ہے جو اب میں وہ زار و قطار روئے لگتی ہے۔ اور دنیا میں کوئی شے اُس کو اُترنے کے ترغیب نہیں دے سکتی پھر مبلغ علیہ السلام کے۔ دولہا اور دولہن دست بستہ سر جھکا کر لا ما کے سامنے استادہ ہوتے ہیں۔ اور وہ کچھ دعا شروع کرتے ہیں۔ دعا کی کتاب ایک امیدوار مبتدی کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔ اور پڑھنے کا کام بڑا لا ما انجام دیتا ہے دعا خوانی کی حالت میں وہ اپنے دہتے ہاتھ سے چاول اور جو کے دلے بکھیرتا جاتا ہے۔ اور بائیں ہاتھ سے ایک ڈنڈے کو جس میں ایک گھنٹی آویزاں ہوتی ہے ہلاتا جاتا ہے۔ پر اُت اب گھر کے اندر داخل ہوتی ہے یہاں زمین پر اُن کو دو پوشیدہ نشانات بنے ہوئے ملتے ہیں۔ جگو لا ما جو کسی دوسرے غلے سے بنا دیتا ہے۔ ایک نوشہ کے بیٹھنے کی جگہ ہوتی ہے اور دوسری دولہن کے ان دونوں حلقوں کے درمیان ایک پیمانہ میں کچھ غلہ بھرا ہوا رکھا ہوتا ہے جس میں ایک تیرگاڑ دیتے اور تیر کے سر پر پھوڑا سا صاف کیا ہوا مکھن لگا دیتے ہیں۔ نوشہ کی ماں اس نئے جوڑے کو نبید پیش کرتی ہے۔ اس کے بعد لا ما تبرک پانی اُنپر چھڑکتا ہے۔ مذہبی رسومات اب ختم ہو جاتی ہیں۔ اور ضیافت کی رسم ادا ہوتی ہے یہ دعوت اس درجہ مسرت آمیز اور دل خوشکن ہوتی ہے۔ کہ دنیا میں شاید ہی کوئی شادی کی دعوت اس کا مقابلہ کر سکے۔ شام کو عروس لباس فاخرہ اور جاہرات مرتعہ سے آراستہ ہو کر نوشہ کے ہمراہ اپنے احباب و اعزاء کے مجمع میں برآمد ہوتی ہے یہ رسم انگریزی رسم کے مطابق ہے۔ صرف اس قدر فرق ہے کہ انگریزوں کے یہاں یہ رسم شادی کے قبل ادا ہوتی ہے اور سیرت میں شادی کے بعد۔ لیکن یہ اختلاف تقدیم و تاخیر کا تریب قریب ہر معاملہ میں ہے اس رسم کے بعد نیا شروع

ہوتا ہے۔ اس میں برخلاف انگریزی طریقیہ کے مرد مردوں کے ساتھ اور عورتیں عورتوں کے ساتھ ناجتبی ہیں نونشا اور عروس کو بھی قبل اس کے کہ وہ آرام گاہ میں داخل ہوں تھوڑی دیر ناچنا ہوتا ہے۔ ان کے چلے جانے کے بعد یہی یہ جلسہ بر صبح تک قائم رہتا ہے۔ لیکن صبح ہوتے ہی مجمع درہم درہم ہو جاتا ہے۔ شادی کے اٹھویں دن یہ دونوں اپنے اعزاء کے یہاں ملنے جلتے ہیں۔ اور اس کے بعد ان کی دوسری زندگی کی ابتدا ہوتی ہے اگر دولہا اور دولہن کے والدین شادی کے اخراجات پر راشت کرنے کے قابل نہیں ہیں تو وہ یہ انتظام کرتے ہیں کہ دولہا کسی روز شب کو چپکے سے اپنی دولہن کو آگرے جاوے۔ اس صورت میں کوئی دینی یا دنیوی رسم ادا نہیں کی جاتی اگر ممکن ہو تو شادی کے ایک سال بعد دعوت ولیمہ دیتے ہیں۔ لیکن دعوت نہ ہونے سے شادی کا عدم نہیں ہو سکتی البتہ دعوت کرنا زیادہ مناسب سمجھا جاتا ہے اس لئے کہ دعوت کرنے والے کی ایک قسم کی نمود ہوتی ہے۔ اور یہ اندیشہ رہتا ہے کہ اگر دعوت نہ دیکھا تو وہ تحفے جو ایسے موقع پر ملتے ہیں نونشا کو نصیب نہ ہوں +

اس معاملہ میں اہل تربت کے نزدیک عزت کا معیار نہایت اعلیٰ ہے اگرچہ بہت تکلیف دہ ہے۔ ایک باپ کے لئے جو اپنی بیٹی کی شادی کا سامان بہم نہ پہنچا سکے بڑی بدنامی کا باعث ہے۔ نومبر ۱۹۵۷ء میں ایک روز علی الصبا میرے دوست بشن داس نے مجھ کو جگایا اور کہا کہ موضع گنپا میں ایک شخص نے عطا گھونٹ کر خودکشی کر لی۔ خودکشی کا یہ طریقہ یہاں علی العموم رائج ہے۔ اس لئے کہ پستول یا زہر انکو دستیاب نہیں ہوتا۔ تفتیش سے معلوم ہوا کہ اس بد نصیب باپ کے پاس اپنی جوان بیٹی کی شادی کا کچھ سامان نہ تھا۔ اور ناموس کے خوف سے اس نے یہ مایوسانہ حرکت کی۔ اس کے بعد کئی واقعات اس قسم کے سننے میں آئے

خودکشی کی صورت میں شل دیگر ممالک کے بہت کم ظاہری رسومات یہاں برتی جاتی ہیں +

شادی کی رسومات اس قدر طویل و طویل ہوتی ہیں کہ دوران ہی میں مہتمم کو ہدایت کرنے کی ضرورت ہوتی ہے کہ مراسم کی تعمیل میں عجلت کی جاوے طلاق کا طریقہ ایسا سیدھا سادہ اور مختصر ہے کہ خیال میں بھی نہیں آسکتا ایک ڈومرو جس کا ایک سر اشوہر کی انگلی میں اور دوسرا بیوی کی اونگلی میں بند ہا ہوتا ہے توڑ دینے سے طلاق عاید ہو جاتی ہے۔ خاوند کی موت کے بعد عورت اگر پسند کرے تو اس رسم کے ذریعہ سے اپنے متوفی شوہر سے طلاق لینے کا استحقاق رکھتی ہے۔ اس طریقہ سے اس کے شکمی شوہروں سے بھی جدائی ہو جاتی ہے۔ جس کی مخالفت کا ان کو مجاز نہیں ہے۔ اگر عورت صاحب اولاد ہے تو بہت کم اپنے مردہ شوہر سے طلاق لیتی ہے اس لئے کہ اولاد کو خاندانی جائیداد کا ترکہ ملتا ہے۔ اور باقی خاوند و نکی حیثیت ان وارثوں کی ماتحت ہوتی ہے اگر عورت طلاق لینے پر اصرار کرے تو آٹھ برس سے زیادہ عمر کے بچے چھوٹے باپ کے سپرد کر لئے جاتے ہیں۔ اب عورت کو آزادی حاصل ہوتی ہے اور وہ ملک کے رواج کے مطابق نو مرتبہ بیاہ کرنے کی مجاز ہوتی ہے۔ لیکن نوہں شادی کے بعد اس کو اپنی بیوگی پر صبر کرنا پڑتا ہے۔ طلاق کی حالت میں کوئی فریق موت سے ایک سال کے اندر دوسرا محلح نہیں کر سکتا۔ بیوی کے مرنے پر بھی یہی طریقہ برتا جاتا ہے۔ اگر بد مذہب کے زن و شوہر میں موافقت نہیں ہے تو وہ اپنے تنازعہ کے فیصلہ کے لئے بیچ مقرر کرتے ہیں اگر بیچ کی رائے میں معاملات بہ آسانی طے نہیں ہو سکتے تو وہ علیحدگی کا فیصلہ کرتے ہیں۔ ہر فریق اپنے مال پر قبضہ کرتا ہے۔ اگر صرف سوہ فریقی علیحدگی کا باعث

تو فریقین میں کسی پر بدنامی کا دہبہ نہیں لگایا جاتا آٹھ برس سے کم عمر کے بچے مان کے پاس رہتے ہیں اور جب انکی عمر آٹھ برس کی ہو جاتی ہے تو وہ باپ کے سپرد کر دئے جاتے ہیں جس کے آخر کار وہ وارث بنتے ہیں۔ بجز مکہا خاوند کے تہتی مستورات اپنے شوہر کو خلاف اس کی مرضی کے طلاق نہیں دیکھتیں لیکن خاوند زنا کے الزام پر عورت کو طلاق دیکھتا ہے۔ ایسی صورت میں صرف قراین کا ثبوت کافی نہیں۔ تا وقتیکہ شوہر جس نے اپنی بیوی پر زنا کا الزام لگایا ہے از نکاح فعل کے وقت گرفتار نہ کرے نہایت حقارت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ اس قسم کی طلاق شاذ و نادر ہوتی ہے۔ یہ الزام حقوق وراثت پر ایک قسم کا حملہ خیال کیا جاتا ہے۔ لہذا زانیہ اگر اپنے شوہر کے پاس واپس جانے پر راضی ہوتی ہے تو خاوند اپنی عورت کے آشنا سے کچھ رقم لے کر معاملہ کو رفع و مخ کو کرنے پر تیار ہو جاتا ہے لیکن اگر عورت ایسی پر راضی نہ ہوئی تو شوہر اس کو طلاق دیدیتا ہے اور کل مال و متاع اپنے قبضہ میں کر لیتا ہے۔ اگر کسی دوسری بنا پر شوہر طلاق دینا چاہے۔ اور چھوٹے خاوند علیحدگی پر راضی نہ ہوں تو اس کو اس قدر آراہنی ان لوگوں کے واسطے مہیا کرنی پڑتی ہے جو انکی ضروریات خانہ داری کے لئے کافی ہو۔

## آٹھواں باب

### معاہجہ

تہت کی مستورات میں جو تفریق بلحاظ شائستگی ہے ہم اس کا ذکر بالا جمال

اوپر کہ چکے ہیں دوسری مثال اس کی بیاروں کا طریقہ علاج ہے۔ اہل تبت کے وہم میں دنیا لاتعداد ارواح خمیہ آسیب اور سیاہ سے معمور ہے۔ اور جب کوئی بیمار پڑتا ہے تو وہ نہایت قابلیت سے یہ تشخیص کرتے ہیں کہ مریض کے قالب میں کوئی آسیب حلول کر گیا ہے۔ مریض کی پہلی فکر یہ ہوتی ہے کہ کس طرح پر یہ آسیب دفع کیا جاوے۔ وہ فوراً کسی عامل کے پاس جا کر اس سے تعویذ لیتا ہے یہ کاغذ کا ایک ٹکڑا ہوتا ہے جس میں کچھ دعا وغیرہ لکھی ہوتی ہے تعویذ کو مریض کے گلے میں لٹکا دیتے یا گولیاں بنا کر کھلا دیتے ہیں۔ اگر اس سے کچھ نفع نہیں ہوتا تو کسی قریب کے لاما سے رجوع کیا جاتا ہے۔ اس کا طرز علاج بھی بالکل ایسا ہی ساہو ہوتا ہے۔ وہ مٹی کی ایک مورت بناتا اور اپنا بیشمار بتیوں والا چراغ روشن کر کے کچھ منتر پڑھتا ہے تاکہ آسیب انسانی جسم سے اتر کر اس مٹی کے پتلے پر آجائے بعد میں مورت جلا دیکھائی ہے جو آسیب کی ہلاکت کا باعث خیال کیا جاتا ہے۔ یہ علاج میرے علم میں عجیب و غریب طریقہ سے آیا۔ میرے ایک دوست موہن لعل کے گلٹیاں نکل آئی تھیں اور جنکی بابت میرا گمان تھا کہ وہ میرے ہی زیر علاج ہیں ایک روز شام کو میں نے سنا کہ ان کی طبیعت زیادہ خراب ہے میں ان کے مکان پر گیا اور یہ دیکھ کر حیرت میں آ گیا کہ وہاں کم و بیش بیس لاما بیٹھے سحر کر رہے ہیں۔ یہ دیکھتے ہی مجھ کو طلسم ہوش رُبا کے ساحر و نکاحیال آیا۔ ایک سو اکیاون چراغ مٹی کے ایک مورت کے ارد گرد جل رہے تھے۔ یہ مورت موہن لعل کے قد کی تھی اور مریض کے لباس کے مانند اس کی پوشش تھی۔ خوشبودار چنویں جل رہی تھیں اور لاما شور مچا رہے تھے اپنے بھدے باجے بجاتے تھے اور پیالیوں میں سے جو ایک قطار میں رکھی ہوئی تھیں۔ چائے پیتے جلتے تھے۔ مجھ کو یہ سُن کر تعجب ہوا

کہ مریض کی نگلیوں کا روحانی علاج ہو رہا ہے جس کا غلطی سے میں اپنے تئیں معالج سمجھتا تھا۔ کیونکہ موہن لعل نے خود اقرار کیا کہ میں نے صرف بہ پاس دلچاظ آپ سے مشورہ لیا تھا۔ نہ میں نے آپ کی ہدایت کے موافق تعمیل کی نہ آپ کی دوا استعمال کی۔ بلکہ کلیتاً لاما اور آنکی تداویر پر درود مدار ہے۔ میں نے گلٹی کے مقام پر ایک تعویذ بھی بندھا ہوا دیکھا۔ لاماؤں کا علاج بالکل بے سود ثابت ہوا اور کوشمیر کو بغرض معالجہ بھیج دئے گئے۔ جہاں ان روحانی طبیبوں کی ہوا بھی ان کو نہیں لگ سکتی تھی۔ کوشمیر میں وہ ایک معمولی ہندوستانی جراح کے علاج سے صحت یاب ہو گئے۔ لیکن عام حالتوں میں جب یہ عمل بھی بے سود ہوتا ہے تو دوسری تدبیر کی جاتی ہے۔ متعدد لاما مریض کے گھر آتے اور اس کی صحت کی دعا مانگتے ہیں۔ لاما اس گھر میں جہاں ہوتے ہیں اور حسب حیثیت مریض اس کے یہاں قیام کرتے ہیں اگر یہ علاج بھی فائدہ بخش نہیں ہوتا۔ تو یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ لاماؤں کا وقار ایسی اثر کو دفع کرنے کے لئے کافی نہیں ہے۔ لہذا دن کے سردار کو بلانے کی ضرورت پڑتی ہے۔ یہ بزرگ اپنے مذہبی لباس میں مریض کو شفا بخشنے کے لئے تشریف لاتے ہیں۔ ان کا طرز عمل نہایت تکلیف دہ ہوتا ہے۔ یہ بھی مثال دوسرے لاماؤں کے اپنے چیلغ روشن کرتے ہیں۔ اور صرف دعا اور تعویذ پر ہی قناعت نہیں کرتے۔ بلکہ ان کے پاس ایک لوہے کا تیز اوزار ہوتا ہے (جسکو نیکی سلخ کہنا بھی نرمی میں دخل ہو گا) جس کے ذریعہ سے یہ بزرگ مریض کے جلد شکم میں کسی قدر سختی کے ساتھ پھپکشی کرتے اور آسیب کو دور ہونے کا حکم دیتے ہیں۔ بد نصیب مریض کے ناقابل برداشت و روسے معلوم ہوتا ہے کہ مقدس طبیب کے احکام کی تعمیل فرماد ہوگی۔ اور مریض کو بجز اس کے چارہ کار نہیں ہوتا کہ وہ اپنی صحت اور آسیب کے دفع ہو جانے کا اقرار کرے لیکن یہ آفاقہ فرضی ہوتا ہے بیماری کوئی بحقیقت تھی،

ہو جاتی ہے ادب وہ راہ راست پر آکر کسی طبیعت سے رجوع کرتا ہے۔ کیا اس سے بھی زیادہ ترتیب کے ساتھ عادات میں اختلاف ہو سکتا ہے۔ اہل تبت کو جب ہر تیر میں ناکامیابی ہوتی ہے تب اخیر میں طبیب سے شوق لیتے ہیں۔ اہل یورپ اور تعلیم یافتہ ابتدا ہی میں طبیب کے پاس جاتے ہیں یہ گمان ہو سکتا ہے کہ ناکامیابی کی صورت میں جو عموماً ظہور میں آتی ہے لاموں کی دعاؤں کے اثر پر کس کو اعتقاد باقی رہتا ہوگا۔ لیکن نہیں ایسا نہیں ہے اگر طبیب کے علاج سے مریض تندرست ہو گیا تو اس کی ناموری کے ہی دعوے دار لا ما ہوتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ ہماری دعاؤں کے مابعد اثر سے اس کو صحت ہوئی اور اگر مریض جانبر نہ ہوا تو سارا الزام طبیب کی گردن پر رہتا ہے۔ یہاں کے اطباء بھی ان آسیب اتارنے والوں کی جماعت سے کم تصور وار نہیں ہیں۔ یہاں طبیعوں کی ایک موروثی قوم ہے۔ اس میں ایک خاص مدت تک تعلیم حاصل کرنے سے اس پیشہ میں انکی اچھی شہرت ہوتی ہے۔ انکے نزدیک مکھن سے بڑھ کر ہر مرض کے لئے خواہ اندرونی ہو یا بیرونی کوئی اکیس نہیں ہے۔ مقامی امراض کے لئے بھیر کے چڑے کا ایک ٹکڑا استعمال کرتے ہیں اگر کان کے درد کی شکایت ہے تو بھیر کے چڑے سے صحت ہوگی اگر دانت میں درد ہے تو بھیر کے چڑے سے آرام ہوگا۔ اگر سر میں درد ہے تو بھیر کے چڑے سے دفع ہوگا غرض بھیر کا چڑا تبت میں بالکل ایسا ہی رائج ہے جیسے کہ یچیم صاحب کی گولیاں ہندوستان میں۔ بھیر کا چڑا تو فی الواقع ہر مرض کے لئے مفید ہے یا صرف خیال ہی خیال ہے بعض صورت میں متنتیات بھی ہیں جیسا کہ تخم بیگن چہرہ کے اوپر لگانے میں کیتھارکلیڈ اربادامی رنگ کے ہوتے ہیں اس کو عورتیں بھی چہرہ پر لیتی ہیں جس سے ان کے خیال کے مطابق چہرہ خوبصورت ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اس کے ملنے سے ایک قسم کی صفائی اور سرخی چہرہ پر آجاتی ہے۔

یہ اس ملک میں اس پاؤڈر کا کام دیتا ہے جو یورپ کے ممالک میں چہرہ کی زینت کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ اطباء بعض دھنوں کے خواص سے کیس قدر واقفیت رکھتے ہیں۔ جب وہ ان کو ایک دوسرے کے ساتھ مخلوط کرتے ہیں تو چند منضبطہ قواعد پڑھتے جاتے ہیں۔ بعض امراض میں چند مخصوص اغذیہ تجویز کرنا نہایت مفید سمجھتے ہیں۔

انکے یہاں گل محل جراحی میں داغنا فصد کھولنا اور خالی اور بھری سینگ لگانا ہے۔ آشوب چشم کی حالت میں وہ ایک ٹکڑا اس کاغذ کا لگاتے ہیں جس میں لاسہ سے چائے بندھ کر آتی ہے۔ تبت کے گرم شمشے جن میں سہاگر گندہک۔ سوڈا اور دیگر اجزاء کے اجزاء حل ہوتے ہیں دوا کے کام میں لائے جاتے ہیں۔ بالخصوص امراض اسفل میں جو اس ملک میں عام طہر پر پیدا ہو جاتے ہیں۔ چشمے چٹانوں سے بہتے ہیں جبکہ پانی جمع کرنے کے لئے حوض بنا لیتے ہیں ہر چشمے کے لئے عموماً تین حوض بنائے جاتے ہیں۔ جمادات کا پورا اثر ہونے کی غرض سے مریض کو سات روز تک پہلے حوض میں غسل کرنا پڑتا ہے۔ اگر اس سے صحت نہ ہوئی تو دو ہفتہ تک دوسرے حوض میں نہاتے ہیں اور پھر بھی کچھ نفع نہ ہو تو ۱۱ دن تک تیسرے حوض میں نہانا ہوتا ہے۔ یہ چشمے جہاتی عوارض اور وجع مفاسل کے لئے مفید ثابت ہوئے ہیں۔ یہ بتانا کہ اطباء حسب طریقہ مذکورہ بالا نہانے کی ہدایت کیوں کرتے ہیں۔ آسان نہیں ہے۔

تاہم اگر اشخاص عموماً چند روز سے زیادہ ان حوضوں پر قیام نہیں کرتے۔ فن دیاگری اگر فی الحقیقت یہ کوئی فن ہے تو یہاں سن سیدہ محمدوں کے ہاتھ میں ہے کوئی خاص گروہ دانیوں کا جیسا کہ اس وقت ہندوستان میں ہے نہیں ہے۔ لیکن تبت کی فن عورتیں ہندوستان کی ناخبرہ کاروائیوں سے صرف ایک ہی درجہ کم ہوشیار ہیں۔ انور دل کے علاج کی بھی کچھ ابتدا اس ملک میں ہوئی ہے مولیشیوں کو وہ انک کے راستہ سے دی جاتی ہے۔ گھوڑوں اور بیلوں کو سیدھے تہنہ سے اور گھوڑوں اور

گایوں کو بائیں تہنہ سے پلائی جاتی ہے۔ جانوروں کی فصد ایک بڑی لمبی سولی سی کھولی جاتی ہے۔ جو آگے اور پیچھے دونوں طرف متغزل میں چھیدی جاتی ہے۔ شریان شکم بھی اس طرح سے چھیدے جاتے ہیں۔ درد شکم کا علاج تیز اور سخت سواری کے ذریعہ سے کیا جاتا ہے۔ انسانوں اور جانوروں کا علاج ان آیات میں نہیں شروع کیا جاتا جو منحوس سمجھے جاتے ہیں۔ طبیب دواؤں کا ذخیرہ اپنے ساتھ ایک مکان سے دوسرے مکان کو لئے لئے پھرتے ہیں۔ جیسے کہ پہلے زمانہ میں پھیری والے ہوتے تھے۔ اگر انگریزی سکتے ہیں فیس کا حساب لگا یا جائے۔ تو بہت قلیل مقدار میں ہوتی ہے دو ہفتہ کے علاج کے لئے ساڑھے چار روپیہ نقد ایک نبیذ اور ایک تھان کپڑے کا فیس میں دیا جاتا ہے۔ خانہ بدوشوں میں یہ طریقہ ہے کہ مریض کو کافی خوراک اور پانی دیکر ایک جگہ چھوڑ دیتے ہیں۔ تاکہ وہ قدرتی علاج سے خود بخود تندرست ہو جاوے۔ یہ حرکت وحشیانہ معلوم ہوتی ہے۔ لیکن خانہ بدوشوں کو معاش حاصل کرنے کے لئے صحرا انوردی ضروری ہے اور سفر سے ازالہ مرض میں رکاوٹ ہوتی ہے لہذا عموماً مریض کو ایسی جگہ چھوڑتے ہیں جہاں دوسرے خانہ بدوش اگر خیمہ زن ہوں اور مریض کی خدمت کریں۔ ان کے اس خیال میں بہت کم مایوسی ہوتی ہے +

اہل تبت ٹیکے کو مفید نہیں سمجھتے ان کا عمل چیچک روکنے کے لئے مثل ٹیکے کے ہی ہے۔ چیچک کے کھڑیہ کو خشک کر کے کھاتے ہیں۔ اور یہ علاج اس بیماری کو روکنے کے لئے زیادہ مفید سمجھا جاتا ہے۔ جب کوئی شخص اس مرض میں مبتلا ہوتا ہے خواہ اس کے کتنے ہی عزیز واقارب کیوں نہ ہوں ایک تنہا مکان میں بٹھا دیا جاتا ہے دہان اس کے لئے کھانا اور پانی رکھ دیا جاتا ہے۔ اب وہ خواہ مرے یا اپنی زندگی سے جانبر ہو جائے۔ کسی کو اس سے کچھ واسطہ نہیں موت کی حالت میں مردے کو دریا میں ڈال دیتے ہیں۔ جب کوئی دیا پھیلتی ہے تو یہ لوگ اس کے دفعہ کرینکے لئے

عجیب و غریب ترکیبیں کرتے ہیں۔ ایک موضع سے دوسرے موضع کے گزراہ میں اور خصوصاً دریائی پلوں پر کانٹوں اور خاردار جھاڑیوں کا انبار لگا دیتے ہیں۔ تاکہ ضرر رساں شیطان اپنے اثر کو بائے مقام سے براہ راست دوسرے مقام پر نہ پہنچا سکے۔ آسیبی طاقت لا ماؤں کا تقدس۔ تعویذ اور گندوں کا اثر۔ اور قلیل فیس جو اطباء کو دیکھانی ہے۔ ان سب کی باتہ اہل تبت کا جو کچھ اعتقاد ہو لیکن یہ لوگ علاج اور پرہیز کے شرائط کو ہرگز پورا نہیں کرتے +

## نوان باب

### موت

موت میں عام طور سے مردوں کے جلا دینے کا رواج ہے۔ لیکن اگر مستوفی چھپک کی بیماری سے ہلاک ہوا ہے تو اس کی لاش جلائی نہیں جاتی بلکہ دریا یا پھیل میں پھینکی جاتی ہے یا دفن کر دی جاتی ہے۔ ان کو لاش جلا دینا کرنے کا بالکل ترد نہیں ہوتا جس قدر عرصہ تک ان کے امکان میں ہوتا ہے رکھتے ہیں موسم سرما میں موت کا واقع ہونا بمقابلہ گرما کے زیادہ مبارک خیال کیا جاتا ہے۔ جاڑوں میں لاش پندرہ سولہ روز تک رکھی جاسکتی ہے۔ اس زمانہ میں لاش ہر وقت موجود رہتے ہیں۔ اور مرنے والے کے حق میں دعائیں مانگتے اور دیگر رسومات لو کرتے رہتے ہیں۔ تاکہ اس کی روح کو دوسرا جنم اس سے بہتر حاصل ہو۔ گرمیوں میں ان دعائوں اور رسومات میں تخفیف کرنی چھٹی ہے اس لئے کہ حدت کی وجہ سے لاش میں تعفن پیدا ہو جاتا ہے۔ مردے کو تیسرے دن جلا دینا لازمی ہے اور

اس لئے روح کو دوسری زندگی میں اعلیٰ درجہ حاصل کرنے کا بہت کم موقع رہ جاتا ہے۔ لاش کے جلانے کا رواج صرف نبت کے مغربی حصہ میں ہے جہاں ایندھن کی افراط ہے دوسرے اطراف میں یہ رواج نہیں ہے وسط نبت میں لوگ مردوں کو پہاڑوں پر ڈال دیتے ہیں تاکہ گد وغیرہ ان کو اپنی غذا بنائیں۔ لہا سہ میں مردے کے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے کتوں کو کھلا دیتے ہیں۔ پس ماندہ ہڈیوں کو بھی پیس کر اور آٹے میں گولیا بنا کر کتوں کو ڈال دیتے ہیں۔ یہ علامت بڑے فخر و امتیاز کی ہے جو ہر کس و ناکس کو نصیب نہیں ہوتا۔ لاماؤں کی لاشیں پہاڑوں پھینک دی جاتی ہیں تاکہ شکاری پرند ان سے اپنا پیٹ بھریں اور متبرک جسم کا کوئی حصہ نہاپاک زمین پر نہ گرے۔ جہاں ایندھن میسر ہے وہاں لاماؤں کی لاشیں جلادیا جاتی ہیں۔ اور خاک پوجاریوں کے ہاتھ سجدی جاتی ہے جو اس کی بڑی قیمت لگانے میں۔ ممتاز لاماؤں کے بجائے ہیں۔ انکی لاش کو ایک صندوق میں رکھتے ہیں اور اس کے ساتھ چند تحریری دعائیں۔ پیالے دُعا کے پھسے اور دیگر ضروری سامان عبادت کا رکھ دیتے ہیں بعض اوقات کچھ غلہ سوتا۔ چاندی تانبا اور بیش قیمت پتھر بھی صندوق میں رکھ دئے جاتے ہیں۔ اس صندوق کو ایک قسم کے مقبرہ کے اندر رکھ دیتے ہیں جو چھورتاں کھلاتا ہے۔ گرنیڈ لاما کی لاش مصالحو لگا کر محفوظ رکھی جاتی ہے اس کا چہرہ سونے اور بیش بہا جواہرات سے آراستہ کیا جاتا ہے جنکی قیمت بعض اوقات لاکھوں تک پہنچتی ہے جب لاش کو صندوق کے اندر رکھتے ہیں۔ تو یہ تبرک خزانہ چھورتان میں دفن کر دیا جاتا ہے یہ مشہور ہے کہ لہاسہ میں کثیر التعداد خزانے زمین میں دفن ہیں۔ بیشک اگر ہر چھورتان جن کی تعداد بہت زیادہ ہے کھودا جائے تو ڈلائی لاما کی یادگار میں مدفونہ خزانے کثرت سے برآمد ہوں۔ جلالی کے دن مردے کے اعزاز اس کے مکان پر جمع ہوتے ہیں حاضرین کو نمینڈ اور سونو

تقسیم کیا جاتا ہے جسے وہ نہایت افسردہ خاطر ہو کر کھاتے پیتے ہیں۔ ان کے چہرے غمناک اور افسردہ ہوتے ہیں اس کے بعد نزدیک کی خانقاہ سے ٹھلا لایا جاتا ہے۔ یہ بزرگ دلدار ایک ہاتھ میں تبرک کتاب لے کر چند دعائیں پڑھتے اور دوسرے ہاتھ سے اگر مردہ مردہ تو اس کی چوٹی اور اگر عورت ہے تو بال پکڑے رہتے ہیں۔ دعا خوانی کی حالت میں وہ لاش کے بالوں کو برابر جھکا دیتے رہتے ہیں۔ تقریباً آدھ گھنٹہ تک یہ سلسلہ جاری رہتا ہے۔ اگر اس درمیان اس کے سر سے خون چھنک آیا تو نہایت مبارک سمجھا جاتا ہے۔ گویا اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ مردہ کی روح خدا کی حضوری میں حاضر ہوئی اور نردان میں داخل ہو گئی۔ یا یوں کہئے نیست و تابو ہو گئی۔ جو بدھ مت میں آخرت کا اعلیٰ ترین درجہ ہے۔ اگر خون نہیں نکلتا تو اس سے یہ ثابت ہوتا ہے۔ کہ مردہ کی روح عالم برزخ میں بھٹک رہی ہے۔ اور اپنے اصل حق ہونے کے لئے بیچھین ہے۔ اب لاما کی مدد کی ضرورت پڑتی ہے اور اگر انکو معقول معاوضہ دیا جاوے تو مقصد اصلی جلد حاصل ہونے کے لئے وہ دعا مانگتے ہیں۔

اختتام دعا پر یہ پیشوائے مذہب ایک گوشہ میں کھڑا ہو جاتا ہے۔ اور خاندان کے سات آدمیوں سے لیکر نو آدمیوں تک رسیاں لیکر آتے ہیں۔ اور لاش کو چار زانو باندھ دیتے ہیں۔ اسطور پر کہ گھٹنا ماتھ۔ گردن سب یکجا بندھ جاویں اگر لاش اگر گئی ہے تو ہڈیاں توڑ ڈالی جاتی ہیں۔ تاکہ اس کی مطلوبہ شکل قائم ہو سکے اس کے بعد لاش کو ایک سوتی کپڑے کے تھیلے میں رکھ کر مکان کے عبادت خانے کے کمرہ میں لے جاتے ہیں۔ یہاں یہ ایک گوشہ میں رکھ دی جاتی ہے اور ایک کپڑا یا چوڑا سائل کا پردہ دیوار کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک پھیلا دیا جاتا ہے تاکہ لاش نظر سے پوشیدہ رہے۔ تب یہ پیشوائے مذہب اندر داخل ہوتا ہے

اور لاش کے بائیں جانب اس کی طرف سے رُخ پھیر کر بیٹھ جاتا ہے۔ اور دوسرے اوتے درجہ کے لاما اس کے سامنے بیٹھتے ہیں۔ مردہ کے گل عزیز و اقارب اب واپس چلے جاتے ہیں صرف یہ بزرگان دین لاش کے پاس موجود رہتے ہیں۔ ان کا یہ فرض ہوتا ہے کہ اپنے ایک سو ایک چراغ پتیل کے روشن کر کے دعا خوانی کریں یہ لوگ متوفی کو کھانا اور پانی دیتے اور برابرشب دروزنگہسانی اور دعا خوانی میں مشغول رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ لاش کے جلانے کا دن آ جاتا ہے۔ سات سے دس تک دن میں اور ایک یا دو رات کے وقت موجود رہتے ہیں۔ جلانے کا دن لاما خود اپنی کتاب دیکھ کر منتخب کرتے ہیں اور وہی دن مبارک سمجھا جاتا ہے مقررہ دن پر مردے کے وارث اور دیگر عزیز و اقارب کمرہ میں داخل ہوتے ہیں۔ انہیں سے ایک شخص لاش کو اٹھاتا ہے اور اصل ماتم کرنے والے کی سپرد کر دیتا ہے۔ جو جھک کر اس کو لیتا۔ اور دو لکڑیوں پر چند اور لوگوں کی امداد سے دعا زہ پر لے جاتا ہے۔ برج شکل کا ایک صندوق خانقاہ سے لایا جاتا ہے جس کے آتے ہی لاما رسومات موت ادا کرتے ہیں۔ لاش کو اس صندوق میں رکھ کر عزیز و اقارب اپنے کندھوں پر جھلانے کے مقام تک لیجاتے ہیں۔ اگر ماتم کرنے والی عورت ہے تو وہ جھلانے کی جگہ نہیں آتی بلکہ تین مرتبہ صندوق کو گرد پھرتی ہے اور ہر مرتبہ اس کے سامنے سجدہ کرتی ہے۔ بعد ازاں گھر میں واپس چلی جاتی ہے۔ راستہ میں لاما دعا مانگتے اور باجا بجاتے آگے آگے جاتے ہیں اور مردے کے عزیز و اقارب پیچھے پیچھے ہوتے ہیں ان کے پیچھے جنازہ کا صندوق ہوتا ہے۔ ہر شخص جو جنازہ کے ساتھ ہوتا ہے اپنے ہاتھ میں لکڑی کا ایک چیلارکھتا ہے جس کو جھلانے کی جگہ لے جاتا ہے۔ ہر خاندان کا ایک مرگھٹ علیحدہ ہوتا ہے جس کی شکل بٹھی کی سی ہوتی ہے۔ اس کے اوپر لکڑیوں کا

ڈھیر لگا دیا جاتا ہے اور لاش پر کھن ڈالا جاتا ہے۔ مردے کے سب اعضا آتش  
کہہ کے گرد تین مرتبہ چکر لگاتے ہیں۔ اور ہر بار مقام روانگی پر سجدہ کرتے ہیں۔  
چکر دکھانے وقت یہ سب لوگ برہنہ سر ہوتے ہیں جب تک لاش جلتی رہتی ہے  
لاابراہر غنناک لہجہ میں ڈھولوں کی آواز کے ساتھ دعائیں مانگتے رہتے ہیں جس وقت  
پہلی ہڈی جسم سے گرتی ہے۔ موت کے رسومات کا خاتمہ ہو جاتا ہے اگرچہ خاندان  
کے کسی شخص کو لاش کے خاک ہو جاتے تک وہاں موجود رہتا پڑتا ہے۔ لاابراہری  
ہڈی متوفی کے عبادت خانہ میں لے آتے ہیں۔ اس کو پیس ڈالتے اور تھوڑی سی  
مٹی ملا کر اس کی ایک مورت یا پتلا بنا لیتے ہیں۔ اگر متوفی دولت مند آدمی تھا تو  
مورت ایک چھوڑ تان میں جو اسی عرصہ کے لئے تعمیر کیا جاتا ہے رکھی جاتی ہے اور  
اگر کوئی عزیز آدمی تھا تو یہ مورت کسی قدیم چھوڑ تان میں رکھ دی جاتی ہے۔ جہاں  
اور عزت کی مورتیں بھی محفوظ ہوتی ہیں جب لاش بالکل جل جاتی ہے تو وہ لوگ جو  
اس کے آخری شعلے دیکھنے کے منتظر ہوتے ہیں۔ بہ آواز الوداع کہتے ہیں ہمیشہ  
کے لئے اب اس جہان سے رحمت ہوا اور منہ پھیر کر جن قدر جلد ممکن ہوتا ہے  
بھاگتے ہیں۔ اسی شام کو احیاء و اعزاء کی دعوت ایک میدان میں کی جاتی ہے جو  
تختہ تحائف پیش کرتے ہیں۔ ان چیزوں کی ایک فہرست مرتب ہوتی اور بہ احتیاط  
محفوظ کی جاتی ہے۔ اس کے بعد جمع منتشر ہو جاتا ہے۔ دوسرے روز صبح کو کوئی شخص جسکو  
ان معاملات سے کچھ دلچسپی ہوتی ہے۔ آتا ہے اور بغور دیکھتا ہے کہ مردہ کی خاک میں  
نقش پا تو نہیں نظر آتے۔ اس شناخت سے وہ معلوم کرتا ہے کہ متوفی کی روح نے  
کس خاص جاندار کے جسم میں حلول کیا ہے۔ اگر نشان کوتے کے پنجے کے ہیں تو وہ  
قیاس کرتا ہے کہ اس کا دوست کوئی پرند ہو گیا لیکن لوگوں کا یہ اعتقاد ہے کہ چند روز  
تک روح اسلے بیچن رہتی ہے کہ پھر کسی قالب میں داخل ہو جاوے اور اس لئے انکو

کچھ مدت انتظار کرنے کے بعد کووں کی جماعت میں شامل ہونے کا موقع ملتا ہے جس روز یہ بھی کوآ ہو جاتا ہے لایا ایک خط لکھتا ہے جس کا مقصود یہ ہوتا ہے کہ اب نگو بھٹکن نہیں چاہئے خط کو جلا کر عالم ارواح کو روانہ کر دیتا ہے اس کام کے ساتھ کچھ رسومات بھی ادا کی جاتی ہیں۔ متوفی کے مکان میں جا بجا کھانا رکھ دیا جاتا ہے جس سے اس کے اعزاء اور احباب کا یہ دعا ہوتا ہے کہ وہ اس کی سوچ کی تکلیف میں اس کی مدد کرنا چاہتے ہیں +

قبل اس کے کہ انسان کی زندگی کا آخری سین ختم کیا جائے یہ بیان کرنا خالی از وچپی نہ ہوگا کہ بت کا ماتم کرنے والا ایک سفید چادر اپنے دروازہ پر لٹکا دیتا ہے اور سفید کپڑے پہنتا ہے۔ ان کے یہاں سفید رنگ برنج و غم کی علامت ہے۔ یورپ کے دستور سے کس قدر بین فرق ہے جہاں بجائے سفید کے سیاہ رنگ کی نشانی سمجھا جاتا ہے +

## دسواں باب

### تیوٹا اور کھیل تماشے

بتت میں کھیل تماشے اور میلے کثرت سے ہوتے ہیں۔ کھیلوں میں پولو کے علاوہ تیر اندازی بھی شامل ہے جس میں نوجوان لوگ ایسی مشق بہم پہنچاتے ہیں کہ اگر گھوڑا پوری رفتار سے جا رہا ہو تو رخ پھیر کر صبح نشانی لگا سکتے ہیں۔ یہ فن نہایت ہرولغزیز ہے۔ گالوں کے گاؤں مشق کرنے کے لئے امنڈ آتے ہیں اور خوب چاند ماری کرتے ہیں۔ فن تیر اندازی میں کسان خاص ملکہ حاصل کرتے ہیں کیونکہ

اس فن کے ذریعہ سے انکی آئینہ قسمت کا فیصلہ کیا جاتا ہے فصل کا سرسبز اور نضیر ہونا بہت کچھ اس فن میں مہارت پیدا کرنے پر منحصر ہے زمین میں اہل چلانے سے پہلے ایک مقررہ دن پر کاشتکار تیر و کمان سے مسلح ہو کر باہر جاتے ہیں۔ باری باری چھ چھ نشانی اُس ڈھال پر لگاتے ہیں جو اس غرض کے لئے کچھ فاصلہ پر نصب کی جاتی ہے۔ ایک شخص کی تین چار باریاں تک آتی ہیں۔ جو شخص دن بھر میں بھی چھ نشانے صحیح لگا دیتا ہے وہ یقیناً اُس سال اور اُس کے بعد ہمیشہ خوش نصیب سمجھا جاتا ہے۔ اُس کے احباب جمع ہو کر اُس کو مبارکباد دیتے ہیں اور ایک نوجوان باکو اُس کے سامنے اگر مجرا عرض کرتی ہے شام کو گاؤں کے سب لوگ ایک چوپیل میں جمع ہو کر اس کامیابی پر خوشی مناتے ہیں۔ جس کا اظہار اس طرح پر کیا جاتا ہے۔ کہ چندہ جمع کر کے سب ایک دعوت کا انتظام کرتے ہیں۔ زراعت کے کاروبار شروع ہونے کی یہ تمہید ہوتی ہے۔ تیر اندازی کے بعد شکار کا درجہ ہے جو تفریح کے علاوہ گذر اوقات کا بھی ذریعہ ہے۔ جنگلی بکری کے شکار کے لئے ایک بڑا مجمع اکٹھا ہوتا ہے۔ دیہاتوں کے کھیا پہلے سے پتہ لگا لیتے ہیں کہ کن کن مقامات میں یہ جانور اکثر رہا کرتا ہے شکار سے ایک روز پیشتر ان میں سے کسی خاص مقام کے چاروں طرف بندیوں پر بکثرت آدمی تقارہ لئے ہوئے بیٹھے رہتے ہیں بعض اوقات دو دو تین تین سو تقارے جمع ہو جاتے ہیں۔ علی الصبح شکاری اپنے توڑے دار بندوقیں لئے ہوئے نیچے میدان میں اتر آتے ہیں۔ اور اُس راستہ میں گھات لگا کر بیٹھ جاتے ہیں۔ جہاں سے اچانک حملہ کرنے پر جاوڑ گئے کی کوشش کرتا ہے۔ یکبارگی تقاروں کی آوازوں کی دھول دھولوں سے ہوا گونج اٹھتی ہے۔ پہلے سے چاروں طرف آگ روشن کر دی جاتی ہے۔ خوف زدہ جانور سنا راستہ سے نکل جانے کی کوشش کرتا ہے اور بہ آسانی گولی کا نشانہ بن جاتا ہے شکاری

اُس کا گوشت بجز مسامی تقسیم کر لیتے ہیں۔ جنگلی جانور جال کے ذریعہ سے پکڑے جاتے ہیں۔ اس میں لکڑی کے گول ٹکڑے لگے ہوتے ہیں جن میں ایک جانب لمبے لمبے خار ہوتے ہیں۔ گہرے گڑھے کھود کر یہ لکڑی اُن کے اوپر رکھ دیتے ہیں اور لکڑی کو مٹی یا برف سے ڈھک دیتے ہیں۔ کانٹوں کی ٹوکھیں اندر کی جانب ہوتی ہیں سطح پر نہیں ہوتیں تاکہ جو حلقے اُس میں ترتیب کے ساتھ بنے ہوتے ہیں اُن میں سے تازہ دم جانور کے پاؤں بہ آسانی اندر چلے جائیں مگر باہر نہ نکل سکیں جال کو ایک رستی سے خوب باندھ دیتے ہیں جب جانور پھنس جاتا ہے تو شکاری جو تاک میں قریب بیٹھا رہتا ہے فوراً اگر اُس کو ہالک کر ڈالتا ہو۔ لوٹری کا شکار گھوڑے پر سوار ہو کر کرتے ہیں۔ لوٹری کو ماند سے باہر نکالنے کے لئے جانور بوا کے سینگ جلاتے ہیں جسکی بو سے وہ فوراً نکل آتی ہے۔ شکاری گھوڑے پر سوار ہو کر اُن کی چھچھا کرتا ہے اور جب وہ دوڑتے دوڑتے تھک جاتی ہے تو یوں کی لکڑی سے شکار کر لیتا ہے۔ اسی طریقہ سے خرگوش کا شکار بھی کرتے ہیں۔ لیکن سینگوں کے جلنے کی بو سے خرگوش اپنے سوراخ سے باہر نہیں نکلتا۔ جب برف ملائم اور اونچا ہوتا ہے تو لوٹری اور خرگوش دونوں کا شکار آسانی سے ہوتا ہے۔ ملائم برف کے مقابلہ سخت برف کے ملائم برف پر دوڑنے سے جانور جلد تھک جاتا ہے جب شکاری کسی شکار کا چھچھا کرتے ہیں۔ تو عورتیں اپنے مکانوں کے برآمدوں سے اس منتظر کو دیکھتی اور خوش ہوتی ہیں۔ مہو کا بھی اسی طرح سے پکڑا جاتا ہے۔ بہت میں درخت بہت کم ہیں اس لئے یہ پرند زمین ہی پر بسا کر تاک ہے اس کو برف پر ادھر ادھر خوب دوڑاتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ سردی اور خشکی سے عاجز ہو کر شکاری کے حلقے سے اپنے تئیں نہیں بچا سکتا۔ برفستانی مہو کا دوسری ترکیب سے پکڑا جاتا ہے برف میں ایک غار کرتے ہیں اور لکڑی سے اُسے پاٹ کر پانے کے ایک چھوڑو

تالاب کی شکل بنا دیتے ہیں۔ مہو کا پانی کی تلاش میں بلندی سے اتر کر غار پر پڑتا ہے لکڑھی ہٹ جاتی ہے اور پرند اندر گر پڑتا ہے اور اس کے اوپر سے برف گرتا ہے جس سے اس کا اڑنا غیر ممکن ہو جاتا ہے۔ اس ترکیب سے شکار کرنے کے لئے یہ امر ضروری ہے کہ مرد اور عورت دونوں شہ سوار ہوں ان لوگوں کو بچپن سے گھوڑے کی سواری کی ایسی اچھی تعلیم دیجاتی ہے کہ پیشہ در سواروں کو بھی رشک کا باعث ہوتا ہے۔ گھوڑا کتنا ہی تیز کیوں نہ دوڑا جاتا ہو یہ بہ آسانی اسپر سوار ہو جاتے اور اتر پڑتے ہیں۔ اور جو چیزیں راستہ میں ملتی ہیں ان پر تیز اندازی کرتے ہیں۔ جب پوری رفتار سے گھوڑا دوڑ رہا ہو تو کچھ فاصلہ کے اندر کئی مرتبہ اپنی ٹوڑے دار بندوق بھرتے اور چلاتے۔ اور اس کو حیرت انگیز سرعت کیساتھ انجام دیتے ہیں۔ ان تمام مذکورہ بالا درزش کی مزاولت سے جو تربت کے باشتہ کے روزمرہ میں داخل ہے وہ آخر کار ایک نہایت ہوشیار سوار ایک مستقل مزاج اور متحمل شکاری ہو جاتا ہے۔ پولو کا کھیل مغربی تربت میں ان کے قدرتی مزاج کے مطابق کھیلا جاتا ہے یہاں کی پولو میں وہ لطف اور خصوصیت نہیں ہے جو انگریزی پولو میں ہے جو ہندوستان میں کھیلا جاتا ہے۔ لیکن پھرتی اور گھس بٹھ کی اس میں بھی ویسی ہی ضرورت ہے۔ منصف کتاب ہڈائے کرکٹ۔ لان ٹینس اور فٹ بال کے کھیل بھی شہرہ لہیہ میں رائج کر دئے ہیں۔ یہ امر وثوق کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ چند ہی سال کے عرصہ میں یہ سب کھیل شہر لہاسہ میں مروج ہو جائینگے۔ موسم سرما میں برف پر چلنا بھی ایک نہایت دل خوش کن تماشہ ہے عورتیں اور لڑکیاں نہیں چلتیں بلکہ درحقیقت وہ کسی متذکرہ بالا کھیل تماشہ میں بھی حصہ نہیں لیتیں ان میں ایک خصوصیت یہ ہے کہ بمقابلہ مردوں کے زیادہ محنتی ہوتی ہیں لیکن مثل ناشائیوں کے دور سے لطف اٹھانے پر قاعنت کرتی ہیں۔ علاوہ برف پر

کے اب دریا کے باشندے بنیر پیسے کی چھوٹی سی گاڑی برف پر چلانے کے بڑے شائق ہوتے ہیں۔ موسم بہار میں جب کہ سخت برف کناروں پر ملائم پڑ جاتا ہے اور بڑے بڑے چٹان و ہارے میں پہنے لگتے ہیں۔ تو اسپر لوگ بیٹھ جاتے ہیں اور دریا میں بہتے ہوئے چلے جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ چٹان اس درجہ گل جاتا ہے کہ اسپر آگے بڑھنا محذوش ہو جاتا ہے تبت کے لوگ ناچنے کے بڑے شائق ہیں۔ مشرقی خیالات کے خلاف یہاں رقص و سرود کوئی اچھا شہم کی بات نہیں۔ اعلیٰ طبقہ کے لوگ بھی اس سے بے پھرہ نہیں جیسا کہ ہندوستان میں صرف ایک گروہ اپنے پیشے کی وجہ سے بے حیالی کی زندگی بسر کرتا ہے۔ یہاں ہر شخص بجز شاہی خاندان کے ممبروں کے ناچنے کے لئے آزاد ہے اس طبقہ کے لوگ اسوجہ سے عار نہیں کرتے کہ ان کو کسی قسم کی ممانعت ہی بلکہ صوفیوں سے کہ خلاف دستور ہے۔ ایک باپ کے لئے اس سے زیادہ کوئی دل بچھون اور فخر کی بات نہیں کہ وہ اپنی بیٹی کو مجمع میں سب سے اچھا ناچتا ہوا دیکھے وہ زور سے اپنی تالیان بجاتا ہے اور بے حجابانہ نہایت مسترت کے ساتھ چلا کر کہتا ہے "شاباش مرچا"۔ خواہ وہ کیسی ہی نفیس پوشاک پہنے ہوں جواہرات سے آراستہ ہوں اور انکے چہرے سے آدھا صاف ہوں لیکن ان کا ناچ کسی طرح سے دلکش نہیں ہوتا۔ انکے حرکات بے جان ہوتے ہیں اور ان کا گانا اور ساز ایک معمولی آواز سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتا ایک ہندوستانی کو جس نے ہندوستان کی کسی مشاق رقاصہ کا تاج دیکھا ہے اس نچ سے بجائے مسترت کے طبیعت کو آزر دگی پیدا ہوتی ہے جو لوگ انکی زبان سمجھتے ہیں بیان کرتے ہیں کہ ان کے گلنے میں خاص بات یہ ہے کہ اول وقت اور دنگ از در دہوتا ہے

لیکن دونوں باتوں یعنی مضمون اور زبان سے مصنف محض ناواقف ہے اسلئے ان کی نسبت کوئی رائے زنی نہیں کر سکتا۔ اور اس کے نزدیک بغیر شنوائی مطلب ضبط ہے +

مثل دیگر مقامات کے تبت میں بھی تیوہار تہایت خصوصیت کیساتھ منائے جاتے ہیں۔ موسم بہار ہوا خوری کا خاص زمانہ ہے لیکن اہل تبت میں یہ تخصیص ہے کہ مرد علیحدہ جاتے ہیں۔ اور عورتیں علیحدہ۔ اوپر ذکر ہو چکا ہے کہ اہل تبت صفائی کے وصف حمیدہ سے بالکل بے بہرہ ہیں اور سال بہر میں صرف ایک مرتبہ غسل کرتے ہیں۔ اور وہ بھی صرف اس زمانہ میں جب کہ کسی کھیل تماشے میں باہر جانے کا اتفاق ہوتا ہے۔ جیسا کہ مصنف نے لاس کے لوگوں سے دریافت کیا شہر میں متعد تھیٹر ہیں ان کا وجود صرف چینیوں کی وجہ سے ہے۔ یہ لوگ تماشے نہیں کرتے بلکہ تھیٹروں کو بجائے باجا گھر کے کام میں لیتے ہیں۔ متعد آدمی مختلف قسم کی پوشاکوں سے آراستہ ہو کر چینی تہتی۔ انگریزی وضع کے چہرہ لگائے اسٹیج پر آتے ہیں۔ جہاں جہ۔ ڈھول۔ اور قرنائی ان کے خاص باجے ہیں سب تماشہ کرنے والے کھڑے رہتے ہیں۔ اور ان میں سے ایک آگے بڑھ کر کوئی عاشقانہ بر مذاق یا قومی گیت گاتا ہے۔ اس کے بعد وہ واپس جاتا اور دوسرا اس کی جگہ آتا ہے اگر گانے والا کوئی لاما ہوتا ہے۔ تو اس کو گیت کا مضمون عموماً اس قسم کا ہوتا ہے کہ لہجہ لاماؤں کی پرورش اور انکی اطاعت کرو۔ اور زائرین کی مہمان نوازی کرو، (زائر عموماً لاما ہوتے ہیں) غرض حاصل یہ ہے کہ جو کچھ ممکن ہو لاماؤں کی نذر کرو +

جناسک کے کرتب آمادہ فقیر دکھاتے ہیں اور ان کے ذریعہ سے خوب کھاتے ہیں۔ ان کا ایک معمولی کرتب یہ ہے کہ ایک تلوار کی گند لوک کوناف پر لگا کر اور قبضہ

زمین پر ٹیک کر اور جسم کو خوب تول کر اس کے گرد ہموار دائرہ میں چکر لگاتے ہیں۔  
 تماشائیوں کو یقین دلایا جاتا ہے کہ تلوار کی نوک کند نہیں ہے۔ لیکن فی الحقیقت بالیسا  
 نہیں ہوتا۔ بعض اوقات جلد کی حفاظت دہات کے ایک ٹکڑے کے ذریعہ سے  
 کی جاتی ہے۔ دوسری بازی گری یہ ہے کہ ایک آدمی کو لٹا کر اس کے پیٹ پر ایک  
 بڑا بھاری پتھر رکھ دیتے ہیں اور ایک دوسرا پتھر اسپرٹیک کر نیچے کے پتھر کے نیچے  
 سے دو ٹکڑے کر دیتے ہیں۔ یہ طریقہ کسی قدر خطرناک ہوتا ہے۔ اس کے مخدو بن  
 ہونے کا خیال اور بھی بچتہ ہو جاتا ہے جب بازی گر کرتب سے پہلے نہایت خشوع  
 اور خضوع کے ساتھ اپنی سلامتی کی دعا مانگتا ہے۔ یہ بیماری پتھر بعض اوقات  
 پندرہ من تک کا ہوتا ہے۔ یہ کرتب نہایت صفائی کے ساتھ کیا جاتا ہے اور تماشائی  
 فیاضی کے ساتھ بازی گر کو انعام دیتے ہیں جو بسا اوقات لاما ہوتے ہیں۔ بعض وقت  
 انعام دینا ہر شخص کو لازم ہوتا ہے۔ غریب سے غریب آدمی بھی جسکو کچھ مقدرت  
 نہیں ہوئی کوئی نہ کوئی چیز دیتا ہے اگر اس کے پاس کچھ نہیں ہے تو وہ اپنی بیوی  
 سے مانگ کر ایک سوئی اس کو دیدیتا ہے۔ امراء علاوہ انعام کے اس پتھر کے ٹکڑوں کو  
 بنلام کر کے خریدتے ہیں اور بزرگ چیز سمجھ کر اپنے گھر لے جاتے ہیں۔ ان تماشوں  
 کے علاوہ یہ بازی گر ایک قسم کا پنج بھی ناچتے ہیں جس میں دعا شامل ہوتی ہے۔ ان  
 بازی گروں کے تماشوں کی ترتیب جمناسک کے کھیلوں کے مطابق ہوتی ہے۔ پہلے  
 معمولی پنج پھر تلوار کا پنج اور آخر میں پتھر توڑنے کا کرتب۔ سب سے زیادہ لچپ  
 اور موثر تماشہ آخیر کے لئے پس انداز کیا جاتا ہے۔ بازی گر اس چالاکی اور کاری  
 گری کے ذریعہ سے نہایت داخل غلہ بیج کر لیتے ہیں اور نقد اور جنس سے مالامال  
 ہو کر اپنے گھر وں کو واپس جاتے ہیں۔

ڈاکٹر صاحب تبت کے تیوہاروں کا ذکر کرتے ہیں کہ سال کا سب سے بڑا

تو ہمارا دوسرا یا نوروز ہے۔ اس تو ہمارے ذکر سے پہلے یہ بیان کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اہل تبت سال کا حساب کس طور سے کرتے ہیں۔ ایک سال بارہ مہینوں پر تقسیم ہوتا ہے ہر تیسرے سال ایک زاید مہینہ جوڑا جاتا ہے معمولی سال کے ہر مہینہ میں تین دن شمار کئے جاتے ہیں۔ حالانکہ فی الحقیقت ۲۷ یا ۲۸ دن ہوتے ہیں لیکن یہ لوگ ان ۲۸ دنوں کو ۳۰ ہی شمار کرتے ہیں۔ اور اس تفاوت کی تاویل یوں کرتے ہیں کہ جتنے دن تیس سے کم ہوئے وہ غائب ہو گئے۔ عوام الناس بارہ سال کا ایک جگہ قرار دیتے ہیں۔ ہر بار ہواں سال کسی جانور کے نام سے موسوم ہوتا ہے مثلاً پہلے کا نام شیر دوسرے کا بل تیسرے کا چیتا اسی طرح سے گھوڑا۔ مینڈک۔ سانپ۔ خرگوش۔ بھیر۔ لنگور۔ چڑیا۔ کتا وغیرہ وغیرہ کتابوں میں مصنفین ساٹھ برس کا ایک جگہ قرار دیتے ہیں اور چونکہ ہر تیسرے سال میں ایک زاید مہینہ ہوتا ہے اور بعض اوقات وسط و سب اور بعض اوقات جنوری یا دوسری میں پڑتا ہے۔ جیسا کہ عیسائیوں میں یہ دن آشتی یا خوش دلی کا ہوتا ہے اسی طرح سے اہل تبت اس دن میں دشمنوں سے مصالحت اور دوستوں سے رشتہ محبت بذریعہ ملاقات اور چھانگ نوشی کے مضبوط کرتے ہیں۔ شادیوں کے اخبار انہیں ایام جشن میں شیلے کئے جاتے ہیں اور خاندان میں ضیافت کے موقعوں پر وہ کھانے کھکھک جاتے ہیں جو اہل تبت کو زیادہ مرغوب ہوتے ہیں فصل کی چیزیں دسترخوان پر چھی جاتی ہیں۔ ستوکی چٹنیاں بنائی جاتی ہیں یہ ناپسندیدہ غذا ایسے طریقہ سے تیار کی جاتی ہے کہ ایک شالیستہ آدمی کی اشتہا نفرت کے ساتھ کوسوں بھاگتی ہے۔ لیکن تبت کے بچے اس کو دیکھ کر ایسے ہی خوش ہوتے ہیں جیسے کہ مٹھائی سے ہندوستانی بچے۔ یہ تو ہمارے روز تک متواتر رہتا ہے آخری دن ہر خاندان اور خانقاہ والے اپنی اپنی حیثیت کے موافق تیل کے لپ جلاتے ہیں جسے دیکھ کر ہندوؤں کا

دیوالی کا تیوہار فوراً ذہن میں آتا ہے۔ اس دن میں گاؤں کا کھڈیا یا اس مقام کا سردار درخت کی شاخوں کا ایک پولا بنا کر اس میں آگ لگا دیتا ہے اور اس کا ایک ساتھی تلوار لے کر پورے میں دو تین ماتھے لگاتا ہے اسکی چیرکت ہلاکت شیطان کی عکالت سمجھی جاتی ہے۔ تب جلتے ہوئے پورے کو دیہاتی ادا ٹھالے جلتے ہیں۔ اور ڈالیوں کا ایک ایک گھٹا لاکر پورے سے اس میں آگ لگانے ہیں۔ اس کے بعد ایک جلوس مترتب ہوتا ہے جو آبادی سے باہر کسی مقام کو روانہ ہوتا ہے یہاں ایک مقام پر یہ جلتی ہوئی ڈالیاں پھینک دی جاتی ہیں۔ شاخوں کا جلنا ماہندوں کے ہولی کے تیوہار کو یاد دلاتا ہے۔ اس زمانہ میں بندوں کا عام رواج ہے کہ وہ شراب خواری، عیاشی اور فحش گوئی کریں۔ عموماً گچھڑ اور رنگ ایک دوسرے پر ڈالنے کا ہر شخص کو اختیار حاصل ہوتا ہے اس دستور کا رواج تبت میں دوسری شکل میں پایا جاتا ہے۔ جوان عمر کے لڑکے چار روز تک ایک قسم کی خشک جھاڑی پھاڑوں سے لاکر جلاتے اور خوشی مناتے ہیں ان لڑکوں کے غول کے پول گالیاں بکتے ہوئے راستوں میں گھومتے ہیں۔ آخری دن یہ جلتے ہوئے گھٹے کھیتوں میں ڈالنے جاتے ہیں اور لڑکے آبادی پر فوج کشی کرتے اور بانڈوں سے نقد یا غلہ وصول کرتے ہیں۔ جو لوگ ان کے مطالبہ گئے ادا کرنے میں تاہر ہوتے ہیں اپنے دروازوں کو این قزاقوں کے خوف سے بند کر لیتے ہیں۔ جس سے اس مجمع میں برہمی پیدا ہوتی ہے۔ اور ان کے مکانوں پر پتھر پھینکے جاتے ہیں +

شوپلا ایک زراعتی تیوہار ہے اگست یا ستمبر کے مہینہ میں منعقد ہوتا ہے۔ یہ دن نہایت شادمانی اور شکر گزاری کا سمجھا جاتا ہے۔ شکر یہ کی نماز خانقاہ میں ادا ہونے کے بعد فصلی تباہ ہوتی ہے۔ دو آدمی چہرے لگا کر اور ایک چادر

اڑھ کر شیر کی شکل بناتے ہیں۔ آگے کا آدمی شیر کا چہرہ لگاتا ہے اور اس کی پاٹوں بجائے شیر کے اگلے پنوں کے ہوتے ہیں دوسرا آدمی اپنی بیٹھ جھکا لیتا ہے گویا وہ شیر کی پشت کا حصہ ہوتا ہے اور اس کے پیر شیر کے پچھلے پنوں کے بجائے متصوّر ہوتے ہیں۔ تب ایک چادر دونوں کے اوپر ڈال دی جاتی ہے اور جو شکل اس سے پیدا ہوتی ہے بے شیر شیر کے مانند ہوتی ہے۔ ایک تیسرا آدمی پچھے سے چادر کے کونے جمع کر کے دم کی شکل بناتا ہے۔ مرد اور عورتیں اس شبیہ کے چاروں طرف نہچتے ہیں اور سادہ مزاج لوگ جو سیلوں کے فاصلوں سے آتے ہیں۔ نہانت اشتیاق کے ساتھ یہ ناچ دیکھتے ہیں +

## گیارہواں باب

### عجیب و غریب رسومات

سلام کرنا یا شکر یہ ادا کرنا تبت میں محض زبانی بات چیت نہیں ہے بلکہ اس کے ساتھ چند حرکات بھی ضروری ہیں۔ جو اس ملک کی اودام پرستی کے بالکل مطابق ہیں۔ سلام اور شکر یہ دونوں کا اظہار ایک ہی لفظ اور ایک ہی قسم کی حرکت سے کرتے ہیں سلام یا شکر یہ ادا کرنے کے لئے تبت کے لوگ لفظ جولی کہہ کر تسلیم جم کرتے اور زبان باہر نکال دیتے ہیں۔ مجمع میں جب کہ چھانگ اور چلے نوشی کا شغل ہوتا ہے تو ان کو اکثر اپنی زبان نکالنے کی ضرورت پڑتی ہے۔ یہ طریقہ یورپ کے ڈاکٹر کے زیادہ قابل پسند ہو گا۔ سلام کرنے اور شکر یہ ادا کرنے کا یہ طریقہ اختیار کرتے ہی قدرت نے خانہ بدوش گروہ کی

محنت بچانے میں بڑی مدد کی ہے کیونکہ جب ان کو کوئی دیکھے انکی زبانیں باہر نکلی پادے گا۔ کہنام میں جو شمال و مشرق میں ایک ضلع ہے علاوہ زبان لٹکانے کے سلام کرتے وقت عموماً بائیں ہاتھ کا انگوٹھا اٹھا دیتے ہیں جو ہندوستانی تہذیب میں ایک مسخرہ پن ہے۔ دیگر اضلاع میں طریقہ ہے کہ اپنا بائیں کان پکڑ لیتے ہیں۔

مسئلات ان اشاروں کا اظہار دوسرے طریقہ سے کرتی ہیں وہ اپنے ہاتھوں کو مٹھیاں بند کر کے اسطور سے پہنچا اڑا کر کے ایک دوسرے پر رکھتی ہیں کہ دونوں ہاتھوں کے کڑے لمبائے ہیں اور تب داہنا ہاتھ تین مرتبہ پیشانی تک لیجاتی ہیں۔ ہر بار "جولی" کہتی اور اپنے سر کو ذرا خم کر لیتی ہیں۔ رتبت کی تہذیب میں ایک رسم خاص طور سے نہایت دلچسپ ہے جب ایک دولت مند دوسرے سے ملاقات کرتا ہے یا شادی یا عی کی موقع پر دعوت منظور کرتا ہے تو یہ رسم خاص طور پر ادا کی جاتی ہے جس میں مرد سلامی کا ایک فیٹہ یا گلوبند نذر دیتے

ہیں۔ اگر نذر دینے والا کبیرا شوہر ہے تو وہ اپنے خسر کو یہ نذر دیتا ہے۔ اور ایک دوست پیدا ایش کی دعوت کے موقع پر بچے کے باپ کو دیتا ہے۔ نذر دینے کا طریقہ یہ اعتنا نذر دینے والے اور لینے والے کے مرتبہ کے مختلف طور پر ہوتا ہے۔ اگر چھوٹے درجہ کا آدمی اعلیٰ طبقہ کے شخص سے ملتا ہے تو وہ ایک فیٹہ یا گلوبند اس کے پیرو نپر ڈال دیتا ہے اگر ملنے والا مساوی یا اعلیٰ مرتبہ کا ہے تو وہ یہ فیٹہ گلے میں ڈال دیتا ہے۔ اس طریقہ سے متعدد گلوبند جبکہ ملاقات

اور باز دید ہوتی ہے استعمال میں آجاتے ہیں خوشحال لوگوں کے لئے یہ طریقہ زیادہ گراں بہا نہیں ہوتا۔ رہے زیادہ صرف مندرکہ بالا موقو نپر یہ رسم برتے ہیں۔ سلامی کا فیٹہ رتبت کے لوگ اپنے خطوط کے ساتھ بھی بھیجتے ہیں۔ ورنہ مکتوب لیکر حقا کو نہایت ترش روی کے ساتھ واپس کر دیتا ہے۔ بظاہر اہل رتبت

میں تہذیب کا قانون سخت ہے اور ان کے قواعد غالباً ایسے اچھے اور موزوں نہیں ہیں جیسے کہ شائستہ اقوام میں ہوتے ہیں لیکن یہ لوگ ان چند قواعد کی پابندی کرنا پسند کرتے ہیں جو انہوں نے اپنے اوپر لازم کر لے ہیں۔ یہ فیتہ یا گلوبند دوسرے موقعوں پر بھی استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً جب کسی رکن سلطنت یا خاندان شاہی کے کسی ممبر کے سامنے چادر پیش کی جاوے تو جو شخص چادر پیش کرتا ہے اپنے منہ پر گلوبند لپیٹ لیتا ہے تاکہ اس کے منہ کی خراب ہوا سے وہ چائے جو اپنے مہتمم بالشان مہمان کے سامنے پیش کرتا ہے آلودہ نہ ہو جاوے۔ شراقت اور تہذیب اس امر کی محققہ ہے کہ مختلف مراتب کے لوگوں کو مخالفت کرنے میں یا ایک ہی چیز کا ذکر کرنے میں جو مختلف طبقہ کے لوگوں سے متعلق ہو مختلف الفاظ استعمال کئے جائیں۔ اس صورت میں تہذیبی زبان نہایت وسیع ہے مثلاً مختلف مراتب کے لوگوں کی پادوش کا ذکر کرنے میں خواہ وہ بالکل ایک مصرعے کے ہر شکل ہی کیونہ ہوں مختلف الفاظ استعمال کئے جاتے ہیں۔ ایک شاہزادے کے جوتے کے لئے صحیح لفظ "جفتا" ہے اور عوام الناس کے جوتے کے لئے "لغتہ" ہے۔ معمولاً آنکھوں کے لئے "بگ" بولتے ہیں لیکن شاہزادے یا کسی امیر آدمی کی آنکھوں کے لئے "بگ" استعمال کرتے ہیں۔ یہ تفریق صرف انہیں تمثیلات تک محدود نہیں بلکہ بکثرت اشیاء پر حاوی ہے۔ تہذیب کی خصوصیت میں جس سے وہاں کے دستور اور مراسم کے دیکھنے والے زیادہ محفوظ ہوتے ہیں۔ ان ممتاز مہمانوں کا خیر مقدم ہے جو وہاں کے باشندے اپنی جائے سکونت سے گزرتے وقت کرتے ہیں۔ ایک معزز اور ممتاز عہدہ دار کی شناخت اس کی شکل و شبہت اور دیگر بدیہی خصوصیات سے فوراً ہو جاتی ہے۔ مثلاً اس کے آگے ہمیشہ ایک سوار اور پیچھے ایک ملازم ہوتا ہے۔ جس کے ہاتھ میں ایک جھنڈا اور

جھنڈے کے اوپر اس حاکم کا نام اور عہدہ تحریر ہوتا ہے۔ جب کبھی معزز شخص مثلاً گانوں کے مہیا یا دو سے کسی حاکم کی آمد کی خبر گاؤں میں مشہور ہوتی ہے تو اس مقام کی عورتیں ستو۔ دو وہ۔ اور چھانگ نذروینے کو نکلتی ہیں رستوں میں صنوبر اور خوشبودار لکڑیاں جلتی ہیں اور مسافران نذروں پر ہاتھ رکھ کر واپس کر دیتا ہے۔ اس موضع کے وہ باشندے جو باجا بجانے کا پیشہ کرتے ہیں۔ اپنی اپنی شہنائی اور ڈھول کی چوکی لے کر باجا بجانے آتے ہیں۔ ان کے نزدیک وہ بابج نہایت خوش آواز ہوتے ہیں لیکن فی الحقیقت ان سے صرف ایک جنکا پیدا ہوتی ہے۔ خانقاہوں میں لانا بھی اس مسافر کا خیر مقدم اپنی اپنی قرنائی۔ شہنائی اور بجا بجانے سے کرتے ہیں۔ ہر گاؤں اور خانقاہ والے اس طریقہ سے مہمان کا استقبال کرتے ہیں اور جہاں وہ قیام کرتا ہے اس کی آمد کی مسرت میں ضیافت کا جلسہ ہوتا ہے۔ اس طور پر کل سفر اس شخص کا ایک اچھا خاصہ شاہی جلوس ہوتا ہے۔ ہر گاؤں والوں کا یہ فرض ہوتا ہے کہ اگلے گاؤں میں اس عہدہ دار کی آمد کی خبر پہنچا دیں تاکہ وہیں اس کا خیر مقدم مناسب طریقہ سے کیا جائے۔ یہاں کے لوگوں میں ایک اور عجیب و غریب رواج ہے جسکی مثال مشکل سے کسی دوسری قوم میں مل سکتی ہے جب کسی خاندان کے سردار کے بیٹے کے اولاد پیدا ہوتی ہے تو خاندان کا کل بار بیٹے پر ڈال دیا جاتا ہے اور سردار معہ اپنی زوجہ کے بخوشی و رضا مندی ترک دنیا کر کے ایک دو سے مقام پر چلا جاتا ہے جو خاص اس نعرے کے لئے پیشتر سے منتخب کر لیا جاتا ہے کل دنیاوی کاروبار بیٹے کے سپرد کر دیا جاتا ہے جو اس وقت سے لیکھا کے معزز عہدہ پر مغمور ہو جاتا ہے۔ میں نے خود راجہ موٹھ کو اپنی میراث سے اپنے بیٹے کے حق میں دست بردار ہوتے ہوئے دیکھا حالانکہ سردار کو

کے قولے نہایت تندرست تھے۔ اس کا بہتر نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وارثوں کو مویش کی وفات اور لپٹے ذی اختیار ہونے کے انتظار کی تکلیف نہیں اٹھانی پڑتی اگر بیٹے کے متعہ و باپ ہوتے ہیں تو وہ سب اپنی مشترکہ اولاد کے حق میں سب سے بڑا ہو جاتے ہیں۔ اس مضمون کے ختم کرنے سے پہلے یہ کہہ دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اہل تبت میں پھولوں کی زبان کا بھی رواج ہے۔ یہ لوگ اسپین سے اپنی ٹوپوں میں اور سینوں میں پھول لگاتے ہیں اور چونکہ اس سرزمین میں پھول بہت کیا ہوا ہے اس لیے یہ لوگ بجائے پھولوں کے آرایش کے لیے چمکیلی مختلف رنگ کی تپیاں استعمال کرتے ہیں جیسے کہ گلستان کا ایک شوقین شخص اپنے بٹن کے کاج میں پھول لگا رہا ہے۔ اگر چاہل تبت میں محبت اور عشق بازی کی بابت وہ خیالات نہیں ہیں جو گلستان میں ہیں۔ اور جن سے یہاں کے لوگ بخوبی واقف ہیں تاہم عشاق اپنے دلی جذبات کا اظہار پھولوں کے ذریعے کرتے ہیں۔ اگر کوئی شخص کسی کو زور و رنگ کے پھولوں کا گلہ سہہ بھجتا ہے تو وہ درپردہ گویا اس امر کا اقرار کرتا ہے کہ اس کا مخاطب اس کو ایسا ہی پیارا ہی جیسا کہ سونا۔ اور چونکہ سونا قیمتی اور نہایت پسندیدہ دولت ہے اس لیے اس کے رنگ کے پھول بھیجنے میں محبت کا اظہار زیادہ سے زیادہ ہوتا ہے۔ جو ایک تپتی اپنے خیال کے نزدیک محسوس کر سکتا ہے۔ اگر بھیجے ہوئے پھول سرخ خون کے رنگ کے ہوں تو پیغام کا یہ مطلب سمجھا جاتا ہے کہ جس کے پاس وہ پھول بھیجے گئے ہیں اس کے ظلم پر پھول بھیجنے والا ملامت کرتا ہے۔ اگر پھول نیلے رنگ کے ہیں تو یہ اس امر کی دلیل ہے کہ فرسندہ واقف ہے کہ اس کا مخاطب اس کو چاہتا ہے۔ لیکن اگر بے نصیب و دشیزہ یا نوجوان لڑکے ہو تو وہ دوسرے فریق کے پاس ایک شگافیہ پتیا بھیجتی یا بھیجتا ہے لیکن

اگر گلدستہ میں تینوں متذکرہ بالا قسم کے پھول ہوں اور علاوہ بریں چوب سہرتہ کا ایک ٹکڑا بھی ہو۔ تو اس پیغام کا مطلب فریق ثنائی کہ یہ فانی کا لزوم تسرار دینا ہے جس سے بھیجے والے کا دل جل کر خاک ہو گیا ہے ❖

اس سے یہ ہنر و شابت ہوتا ہے کہ عشق و نفرت کے مختلف عسوسات کے اظہار کے لیے موزوں رنگ منتخب کئے گئے ہیں۔ یہ کہ مثل گلستان کے جہاں چند مختلف پھولوں کے یکجا کرنے سے مختلف خیالات اور جذبات کا اظہار ہوتا ہے۔ اگر تبت میں متعدد اقسام کے پھول پیدا ہوتے تو یہ لوگ پھولوں کی زبان نہایت معقول بناتے۔ ان کے یہاں بہت تھوٹے قسم کے پھول ہوتے ہیں لیکن ان کا استعمال یہ لوگ نہایت سادگی اور علیٰ طریقہ سے کرتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ اہل تبت کے عشق و محبت کے بازار میں تہذیب کی شیرینی معدوم نہیں ہے۔ دریاں حالیکہ دوسری حالتوں میں یہ لوگ طرز زندگی میں دیگر اقوام سے نہایت بدنامی کے ساتھ پیچھے ہیں ❖

## بارہوان باب

اہل مغرب کو تبت میں آنے کی کیوں ممانعت ہے

جن وجوہ سے تبت والے غیر ملک کے باشندوں کو اپنی سرزمین سے علیحدہ رکھنا چاہتے ہیں ان کا اشارہ ہم جابجا اس کتاب میں کر چکے ہیں۔ لیکن اس مضمون پر کچھ شرح لکھنے کی ضرورت معلوم ہوتی ہے۔ ہم ان اسباب کے دریافت کر کے کی کوشش کریں گے جنکے باعث چند سال پیشتر تک الماسہ میں داخل ہونا

نہایت دشوار تھا۔

یہاں کے باسکند یورپ کی طاقت سے جو ہمالیہ کی دوسری جانب کو حکومت کرتی ہی پورے طور پر واقف نہیں ہیں۔ وقتاً فوقتاً شمالی ہندو کشمیر نیپال اور بھوٹان کے سیاح ہمالیہ سے اتر کر ہندوستان کے عروج اور ترقی کے حالات دیکھتے اور اس کے متعلق تربت والوں کو خبر پہنچاتے رہے جو اس وقت کو اب اپنی سرحد کی جانب رفتہ رفتہ ترقی پاتے ہوئے دیکھنے لگے۔ شل افغان جبرگول کے جو گورنٹ ہند کی اس درجہ تکلیف باعث ہوتے ہیں اہل تربت اپنی ہم صدر مگر سید مضبوط گورنٹ کو اپنی خود مختاری کے حق میں ایک حد تک مضر خیال کرنے لگے۔ اگرچہ ان میں اب نہ اصلی جوش و خروش باقی نہیں رہا۔ تاہم جب اختیار پسند لامان کے دلوں کو سخر کرتے ہیں انکی ملکی آزادی کی امنگ کو بے اختیار حرکت ہوتی ہے اور وہ غیر ملک والوں کو اپنی سرزمین سے علیحدہ رکھنے میں حتی الامکان حکام کی مدد کرتے ہیں جب نور اور گھ نے فون کشی کر کے یہہ کو زیر کر لیا تو کشمیر کی گورنٹ نے شکاریوں کو اوقات مصیبت پر ملک مفتوحہ میں شکار کھیلنے کی اجازت دیدی اور اس رعایت سے لذت بہت جلد کشمیر اور ہندوستان کے شکاریوں کا پسندیدہ شکار گاہ بن گیا۔ کار تو سی بندوق اور پتو لوں کی ایجاد نے جو توڑے دار بندوق سے بدزما بہتر ہیں لوگوں کے دلوں میں مہیت اور خون پیدا کر دیا جبکہ اشر بہت جلد کہا تک پہنچ گیا۔ اور اس کی سلطنت نے ایسے لوگوں کو جن کے پاس ایسے خوفناک ہتھیار ہوں ملک سے باہر رکھنے کا حکم قصد کر لیا۔ وضع رہے کہ سنہ ۱۶۷۰ء سے سلطنت چین کے دو سفیر الملقب بے ایمان "ہاسہ کے دربار میں رہتے۔ وہ اپنی ملک کے خیالات کو بعض اوقات ظاہر نہیں مونسیتے اور یورپین اقوام کی چھٹیٹر

پھاڑیں پیش قدمی کرنے کی پالیسی سے بخوبی واقف ہونے کی وجہ سے ان کے خلاف خیالات کو ترقی دیتے رہتے ہیں۔ ۸۶ء میں تبت کے لاما اعظم نے شاہ چین کو ہدایت کی کہ ہر یورپین متنفس کو تبت میں داخل ہونے کی مخالفت کی جائے۔ تبت کے لاماؤں نے تقالیں کو بیان کر کے باشندگان کے مذہبی جذبات پر اثر ڈالتے ہیں جنکے اجنبی باشندوں کو تبت سے علیحدہ رکھنے میں عقلمندی کرنے کے باعث ملک میں بے چینی پیدا ہو کر اندیشہ ہوتا ہے۔ ڈلائی لاما انتخاب کے وقت نابالغ ہوتا ہے کیونکہ اس وقت وہ صرف ۴ برس کا ایک بچہ ہوتا ہے سن بلوغ تک پہنچتے ہی عنان سلطنت اپنے ہاتھ میں لینے کا مستحق ہو جاتا ہے۔ لیکن اس کی عمر بہت تھوڑی ہوتی ہے۔ یا یوں کہنا چاہیے کہ اس کا دلی جس کو اُسکے زمانہ خور و سالی میں اعلیٰ اختیارات حاصل ہوتے ہیں اکثر زہرے کو ختم کر دیتا ہے۔ اہل تبت کو اس غابازی کا شبہ بھی نہیں ہوتا۔ اور ولی اس خوش اعتقاد ہی کو اپنے بچاؤ کا ذریعہ سمجھتا اور ایسے واقعات کو اپنے ملک میں اجنبیوں کی مداخلت کی جانب منسوب کرتا ہی۔ جب لاما اعظم نے شاہ چین کو تبت سے غیر ملک والوں کو باہر کرنے کی ہدایت کی تو اُس نے یہ وجوہات پیش کیے کہ جب سے یہ گورنر مشنری ملک میں آنے لگے ہیں عورتیں اپنے شوہروں سے بیوفائی کا بڑا دوا کرنے لگی ہیں اور لوگ اپنے مسلہ مذہب کی اطاعت سے منحرف ہوتے جاتے ہیں۔ لہذا اس کے حکام بالادست کی جو ہدایتیں یہاں کے مکھیوں اور چھوٹے چھوٹے مقامی سرداروں کے نام جاری ہوئیں۔ وہ نہایت سخت ہیں۔ منجملہ دیگر شرائط کے جنکی بنا پر یہ لوگ اپنے عہدوں پر قائم ہیں۔ ایک یہ بھی ہے کہ اپنے ضلعوں کے اندر سے اجنبیوں کو نہ گزرنے دیں گے۔ اس حکم کے خلاف وزری کی سزا موت ہی لیکن جب یہ لوگ دیکھتے ہیں کہ سیاح اپنے اداوں سے باز نہیں آتے اور

تبت کو نہیں چھوڑتے تو عام طبع سے یہ ہے کہ ان کو ایک ایسے رستے پر لگاتے ہیں جس سے لہا سہ کو سوں دور رہ جاتا ہے اور ان کی آمد کی اطلاع اگلے گاؤں میں کر دی جاتی ہے تاکہ مقدس شہر سے دور رکھنے میں حتی الامکان احتیاط کی جاوے۔ اس طریقہ سے مقامی سردار جو اپنے مذہب کے اصول کے مطابق کسی عورت کے جان ضائع کرنے کے مجاز نہیں ہیں قانونی پابندی کو نظر انداز کرتے ہیں اور اپنا ایک اجتہاد باندھ کر اس جرم کی سزا سے اپنے کو محفوظ کرتے ہیں اگر معمول سے زیادہ احتیاط کے ساتھ لباس تبدیل نہ کیا جاوے تو جدید یورپین سیاح فوراً شناخت کر لئے جاتے ہیں۔ وہ قافلے جن کے پاس خوراک کپڑے اور دیگر ضروری سامان ہوتا ہے غیر معمولی طور سے ان لوگوں کے لئے تکلیف دہ ہوتے ہیں جن کا اصلی مقصد تجارت نہیں ہے۔ ان کو ہمیشہ غلہ کی ضرورت ہوتی ہے جو یہاں بہ آسانی دستیاب نہیں ہوتا اور اگر ملتا بھی ہے تو یہ عیوض و پیسہ کو بشکل ملتا ہے۔ سیاح کے ضروری سامان میں بندوق بھی اہل ہے خانقاہوں کے نزدیک جنگلی جانوروں اور پرندوں کا شکار کرنا اہل تبت کو نہایت ناگوار ہوتا ہے۔ عام طور پر ہر یورپین سیاح جس کے پاس بندوق ہوتی ہے ایک آنے والی بٹری فوج کا پیش خمیہ خیال کیا جاتا ہے۔ یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کہ اہل تبت گورے چمڑے والوں سے علیحدہ رہنے میں اپنی جاہلانہ پالیسی کی پابندی کرتے ہیں۔

دوسرے سبب ناراضا مندی کا یہ ہے کہ سیاح آرنون کو بطور خدمت گار اور رہبر کے نوکر رکھتے ہیں۔ واضح رہے کہ مشرقی توہمات جو قدیم تہذیبیں اور روایات سے آراستہ و پیراستہ ہیں۔ اور جو ابتدا ہی سے ان میں داخل ہوئے ہیں نہایت اہم نتائج پیدا کرتے ہیں۔ اہل تبت بلا امتیاز آرنون کی کل جمعیت

نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ یہ لوگ مسلمان ہیں اور بتی عورتوں کو باسانی ہلکا قبول کر لینے پر آمادہ کر کے ان کے ساتھ شادی کر لیتے ہیں۔ ان جوہ سے دینی اور نبوی سرداران و غلوں کو مہربانی کی نظر سے نہیں دیکھتے۔ دنیوی گروہ کا متفرم مردم شماری کی کثرت کے اندیشے کی وجہ سے جو حق بجانب معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ آبادی کی کثرت افلاس اور مصائب کا پیش خمیہ تصور کی جاتی ہے۔ دینی گروہ کی نفرت بھی بجا نہیں ہے کیونکہ آرخون سے شادی کر لینے کے بعد ان کے مذہب سے بتی عورتوں کی تعداد کم ہو جاتی ہے۔ یورپین سیاح عموماً آرخون کو ہی ملازم کہتے ہیں یہ گروہ نہایت دغا باز اور چالاک ہے۔ جیسے ساری دنیا میں ڈونسلے اور

یدا طوار لوگ سہتے ہیں۔ اپنی آقاؤں کو خوشامد و رضی کرنا انکے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔ بلا تکلف جس چیز کی ان کے آقا کو ضرورت ہوتی ہے۔ بجز و بلا قیمت حاصل کرتے ہیں۔

اس کا استدلال بالکل غیر ممکن ہے اس لیے کہ بزدل بتی کو اگر وہ شکایت پر آمادہ ہو تو اس سے یہی زیادہ سخت بڑا ٹوکی دھکی ٹپتے ہیں ایسے واقعات بھی پیش آئے ہیں کہ آرخون نے اپنے آقاؤں کو ملازمت کی حالت میں پکھیرے طور سے نقصان پہنچایا۔ ایک یورپین سیاح کے پھر ایک آرخون کی سازش سے چوری گئے اس نے کہ تیرہ لگانے پر اسکو اپنی سزا یا پنی کا زینہ بٹھایا تا ہادی پہلی سباب ہیں جنکی وجہ سے ان ابن الوقت کمینوں سے

۱۰ کسی ایک یا چند آدمیوں کی چالاک کی کے واقعات پر کل قوم کو دغا باز چالاک بن الوقت اور کینہ کنفا مثل مصنف کی شان سے بہت بعید ہے۔ اور یہ بات کس طرح قیاس میں نہیں آتی کہ اگر واقعی یہ لوگ اس قدر دغا باز ہیں تو یورپین سیاح انہیں کیوں ملازم رکھتے ہیں نہ یہ بتا سمجھ میں آتی ہے کہ تبت میں جو خود مختار اور آزاد ملک ہے ایک غیر مذہب شخص یعنی آرخون جن سے بقول مصنف تبت کے تمام دینی اور دنیوی عمدہ دارنار ارض رہتے ہیں۔

بتیوں پر اس قدر ظلم کیوں کر سکتے ہیں ۱۰ مترجم

تمہی ہمیشہ ناخوش رہتے ہیں۔ اور نفرت کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں۔ بہر حال گوہر  
چمکے والوں اور آغون کا اجتماع بعید از عقل تمہی کی ناراضگی کا باعث ہوتا ہے۔  
اُن کے نزدیک یورپین بحیثیت ایک جماعت کے ایک حد تک زیادہ شہرہ  
ہوتے ہیں اگرچہ اپنے قابل نفرت رہبروں سے متول میں بڑھے ہوتے ہیں۔

## سیر ہوائِ باب

### تبت اور بدھ مذہب کی تاریخ

تبت کا مذہب نہ صرف بذات خود نہایت دلچسپ ہے بلکہ بوجہ اپنے عجیب و  
غریب اعتقادات اور رسومات کے ایک انوکھا مذہب ہے۔ یہ امر نہایت  
حیرت انگیز ہے کہ بدھ مذہب نے لاکھوں برسوں میں ترقی کر کے تبت میں بحیثیت  
وہی صورت پیدا کر دی جو مذہب عیسوی نے یورپ کے متوسط زمانہ میں اصل  
کی تھی۔ اور یہ امر لامکے تعلیم و عقائد کی خصوصیات سے صاف ظاہر ہے  
دلالتاً یعنی پروہت، لامکے عقائد سمجھنے کے لئے نہایت اختصار کے ساتھ  
اس تعلیم اور اصول کی تصریح کرنے کی ضرورت معلوم ہوتی ہے جسکو گوتم بدھ  
نے بتایا ہوگا۔ غیر بدھ مذہب کے لوگوں میں اس مذہب کی تعلیم سے اس حورہ  
ناواقفیت ہے (جو اب دور ہوتی جاتی ہے) کہ چند الفاظ اس کے متعلق  
لکھنے لازمی ہیں۔ بدھ کے لفظی معنی میں روشن ضمیر اور بانی مذہب کا اصل نام سدھاتا  
اور خاندانی نام گوتم تھا۔ پہلے یہ معلوم ہونا چاہیے کہ بدھ نے کیا تعلیم دی۔ وجود الہی  
اور ہر انسان میں غیر فانی روح کے وجود کا اہتمام میں اس نے کچھ لحاظ نہیں کیا۔

اُس کا خیال تھا کہ ذات باری اور انسانی سوج کے وجود اور عدم وجود پر بحث کرنا  
لا حاصل ہے یا دوسرے الفاظ میں یوں کہنا چاہئے کہ وہ لمجد تھا۔ نروان یا فنا ہو  
جانا اُس کی تعلیم کا ایک خاص جز ہے۔ جس سے ایک غیر مذہب والے کو سب سے  
پہلے واقفیت پیدا کرنا چاہئے فی الحقیقت یہ ایک بڑا مقصد ہے جس کے حاصل  
کرنے کی اُس کے پیرو کو شست کرتے ہیں اس تعلیم کا حاصل صرف خواہشات نفسانہ  
غصہ۔ نخوت۔ اور ناپاکی کو جو انسان کی روحانی تکلیف کا باعث ہوتے ہیں ازل  
کرتا ہے ان عیوب کے دور ہونے کے بعد اگر انسان میں نروان کی تکمیل ہو چکی  
ہے تو ہر بشر کی طبیعت میں آرام اور قناعت کا مادہ پیدا ہو جاتا ہے۔ گو تم  
نے ہدایت کی کہ نروان حاصل کرنے کا ذریعہ اغراض۔ قول و فعل۔ معاش و اجتہاد  
حافظہ۔ خیالات اور غور و فکر کی صداقت ہے۔ اُس کا قول ہے کہ ان آٹھ  
سیدھے اور سچے رستوں سے انسان دائمی سکھ حاصل کرنے کی امید کر سکتا ہو  
گو تم نے انسان کو ریاضت کے ساتھ زندگی بسر کرنے کی ہدایت کی اور وہ  
طریقہ جسکی اس نے بنیاد ڈالی اُس کے خیالات کا لازمی نتیجہ تھا۔ انسان کا وجود  
بدی سے محصور ہے اور جو خواہشات کہ انسان کی پیدائش اور قیام کا ذریعہ ہوتی  
ہیں وہی انجام کار اُس کی تخریب اور زوال کا باعث ہوتی ہیں۔ لہذا تم کو اُسکے  
وجود ہی کی نجات کرنی لازم ہے۔ جن لوگوں کو زندگی کے ممتہ حل کرنے کا شوق  
تھا۔ ریاضت کی زندگی بسر کرتے تھے اور خواہشات نفسانی اور دنیوی ترغیبات  
سے بچتے تھے لیکن کل دیندار متقی لوگ عالم بقا میں نہ کہ عالم فنا میں اپنے افعال  
کے مہذب ہونے سے نروان حاصل کرنے کی امید کرتے تھے۔ تزکیہ نفس کے  
عمل سے بتدریج ایک زندگی بمقابلہ دوسری زندگی کے زیادہ مقدس ہو جاتی اور  
تب ”روشنی“ حاصل کرنا آسان ہو جاتا ہے۔ اس طریقہ سے اعتقادات کے دعوے

رکھے گئے تھے اول قسم میں وہ لوگ شامل تھے جو اپنی موجودہ زندگی میں نرول حاصل کرنے پر عقیدہ رکھتے تھے دوسری قسم میں وہ لوگ تھے جو کئی مرتبہ جنم لینے کے بعد اس کے حاصل ہونے پر قناعت کرتے تھے چونکہ نہایت معتبر اور مستند شہادہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بڑھا کسی مفرد کی روح کے وجود کا نہ قابل تھا نہ تعلیم دینا تھا اس لیے یہ مترشح ہوتا ہے کہ بڑھا کا مفہوم تناسخ سے صرف انسانی نسل کی ترقی تھا۔ اس لفظ سے مراد انسان کی زندگی کا سلسلہ اس کے پچوں کی پیدائش کے ذریعہ سے ہے اس لئے اگر فی الواقع یہ سچ ہے تو ٹیڈ او نیچر یوں کو خوش ہونے کا بہت بڑا موقع ہے اور ان کا خوش ہونا صحیح بجانب ہے +

بڑھا کا زمانہ جیسا کہ ہمیں معلوم ہوا ہے حضرت عیسیٰ سے ۵۰۰ برس قبل تھا

۵۔ الفس صاحب بن کورنونی اپنی تاریخ ہندوستان میں لکھتے ہیں کہ تمام قومیں جو بڑھ مذہب رکھتی ہیں ان میں بکافرج ہندوستان کو بتائیں متفق ہیں اور اس امر میں بھی متفق ہیں کہ اس مذہب کا بانی "سکیماسی" یا گوتم ہی تھا جو "کینا" واقعہ شمال کو رکھو رکھا باشندہ تھا اور وہ سوجنہی خاندان کا ایک چھتری اور کابینا تھا لیکن مختلف قومیں اس کے ظہور کے تاریخ میں بہت اختلاف رکھتی ہیں چنانچہ ہند اور اور سیام اور نکا کے لوگ اس تاریخ کو قریباً پانچ سو برس قبل مسیح کو قرار دیتے ہیں اور اس تاریخ پڑھکاؤ کے راجاؤں کی فہرست کے مختلف حالات کی شہادت پہنچتی ہے برضلاف اس کو کشمیری لوگ سکیم کے زمانہ ظہور کو تیرہ سو تیس برس قبل مسیح اور چینی اور منگولی اور جاپان کے قریب ایک ہزار برس قبل مسیح کو قرار دیتے ہیں اور بت کران تیرہ سو رچوں میں سوجنکا مشرقی حالات کے سیکڑوں میں حوالہ دیا گیا ہے چار سو رچ دو ہزار نو سو اٹھ اور نو سو رچ آٹھ سو تیس برس لبطیق اوسطاً دو قبل مسیح بیان کرتے ہیں اور بت کی برسی مذہبی کتاب میں اس کلام کے مندرج ہونے سے کوہ مجلس عام جو راجہ اشوک نے منقذ کی ایک سو دس برس بعد وفات بدھ کے جمع ہوئی تھی۔ تاریخ مذکورہ بالا چار سو برس قبل مسیح کے ہی قائم ہوتی ہے کیونکہ قوی ثبوت سے یہ بات ظاہر ہے کہ اشوک کا زمانہ عیسائیت سے پہلے مسیح سے کم تھا + مترجم

اُس کی موت کے بعد متعدد افسانے اور کہانات اُس کی زندگی اور تعلیم کے ساتھ منسوب کئے جانے لگے۔ اُس کے تزکیہ نفس کی سیدھی سادھی تعلیم رسم و رواج کے انبار میں مخلوط ہو گئی عیسوی تاریخ کی پہلی صدی میں یورپ سو برس کے زمانہ بدھ مذہب میں تفرقہ پڑا اور اسکی تقسیم دو بڑے فرقوں میں ہو گئی۔ ایک "مہاین" کے نام سے اور دوسرا "مہاین" کے نام سے مشہور ہوا۔ یعنی اعلیٰ طریقت اور اونے طریقت اعلیٰ فرقہ کے پیرو شمالی حصہ کے بدھ تھے اور اونے فرقہ کے سیلون۔ برہما اور سیام کے باشندے تھے۔ شمالی اور جنوبی بدھ لوگوں کے اعتقادات میں صرف اس قدر اختلاف ہے کہ شمالی بدھ نرانا پر سختی کے ساتھ عقیدہ رکھتے ہیں اور اس سے بھی انکار نہیں کرتے کہ انسان اپنی زندگی کی ابتدائی کیفیت میں برہما ہو سکتا ہے اور اس لئے اُنکی تعلیم جنوبی مدرسے کی تعلیم سے مختلف نہ تھی بلکہ یہ لوگ اُن اوصاف پر زیادہ زور دیتے تھے جنکی تکمیل وقتاً ناممکن ہے۔ جب ایک شخص سمجھتی کے ساتھ ریاضت کا طریقہ اختیار کرتا جو اس کو اس دنیا میں بدی سے بچانے والا ہوتا تو وہ "اراماٹ" کہلاتا اگر وہ رفتہ رفتہ نجات کا طالب ہوتا تو "بڑھ ہونا"۔ بدھ رفتہ رفتہ بمقابلہ اراماٹ کے زیادہ بزرگ خیال کئے جانے لگے۔ اگر کسی وقت میں کوئی نہرہی پیشوایا واعظ پیدا ہوتا تھا تو وہ اپنے پچھلے جنم میں بدھ مذہب سے سمجھا جاتا تھا اور مرنے کے بعد مثل بدھ کے اُس کی رستہ کی جاتی تھی۔ لیکن جنوبی مدرس گاہ کے متعلمین نے اگرچہ اراماٹ بننے سے کتا کہشی کی تائیم "ہمایاسن" طریقہ کے تابع تھے اور معدودے چند آدمیوں کو نجات پانے کا مستحق سمجھتے تھے۔ بدھ مذہب کی دوسری ترقی چھٹی صدی عیسوی میں واقع ہوئی جبکہ برہمنوں کی یوگ کی تعلیم شمالی ہندوستان کے بدھ مذہب کے متبذل اعتقادات کے مطابق کی گئی۔ اس زمانہ میں اوبام پستی جنس نتر و پیرہ مذہب میں شامل کئے گئے۔ شہوت پستی۔ شیطان پستی۔ سحر اور

جادوگری وغیرہ نے بدھا کی مقدس تعلیم کا نام و نشان مٹا دیا۔ اس شہوت پرستی کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ اس نے بدھ لوگوں کو اندواج کی اجازت دیدی اور بہوت پریت چڑیل پرستش کے لئے بکثرت پھیل گئے۔ یہ وہ مذہب تھا جو ساتویں صدی عیسوی میں بتت میں رائج ہوا۔ لا ماؤن میں جو بات کسی مذہنک اسوقت پائی جاتی ہے۔ اس سے انسانی زندگی کی باتبہ بدھا کی اصل تعلیم کا صحیح پتہ چلتا ہے اور نیز زندگی کے دائرے کی تصویروں سے بھی اس کا اظہار ہوتا ہے۔ جو عموماً خانقاہوں میں پائی جاتی ہیں۔ یہ دائرے خاص بدھا کی جانب منسوب کئے جاتے ہیں دائرے کے کناروں میں انسان کی زندگی کے مختلف مدایح موت تک کے دکھائے جاتے ہیں زندگی کے پہلے درجہ کی مثال ایک اندھی مادہ شتر سے دی جاتی ہے جسکو ایک شخص ہانکتا ہے اور یہ تشبیہ ہے نوزائیدہ بچہ کی۔ دوسرے درجہ میں نادان بچہ کی صورت وجود انسانی کے لئے ٹھیک ایسے ہی بنائی جاتی ہے جیسے کہ ایک کمبار ہاتھ میں مٹی لیکر کھلونا بناتا ہے۔ اور اک کا پیدا ہونا تیسرا درجہ ہے اور اس حالت میں ایک بندر انسان کا جنم لیتے ہوئے نظر آتا ہے چوتھے درجہ کی تشبیہ ایک طبیب سے دی جاتی ہے جو ایک مریض کی نبض دیکھ رہا ہو یا ایک ایسے شخص سے جو سمندر کو عبور کر رہا ہو۔ اور اک کے ترقی پانے کی مثال پانچویں تصویر میں دی جاتی ہے جس میں دو آنکھیں ایک نشان سے جھانکتی ہوئی نظر آتی ہیں۔ اس کے بعد اتصال کا مرحلہ ہے اتصال کے درجہ میں تکلیف و راحت دونوں کا احساس ہوتا ہے اور اس کی تشبیہ لوگوں کے بوسہ لینے اور آنکھ میں تیز داخل کرنے سے دی جاتی ہے تکلیف سے خواہش پیدا ہوتی ہے اور اس کی مثال اس شخص کی ہے جو شراب پی رہا ہو اس کے بعد طبع کا درجہ ہے جس کی تشبیہ ایسے شخص سے دی جاتی ہے جو پھل جن جن کر ایک لوگرے میں جمع کر رہا ہو۔ دسویں مرحلے میں ایک عورت کی تصویر پیش

کی جاتی ہے اور ہولے انسانی کا وہ درجہ دکھایا جاتا ہے جہاں انسان کو ازواج کی  
 ترغیب ہوتی ہے۔ اس کے بعد دلے مرقع میں ایک عورت وضع حمل میں نظر آتی ہے  
 اور اب اس بچے کا جسکی سرگذشت بیان کی گئی ایک وارث پیدا ہوتا ہے آخری درجہ کی  
 تشبیہ ایک نقش سے دی جاتی ہے جو ایک شخص کی پشت پر جاتی ہوئی نظر آتی ہے یہ  
 فنا کا درجہ ہے +

## ضمیمہ تبت میں اسلام

افسوس کہ قابل مصنف نے تبت کے مسلمانوں کا حال بہت کم بلکہ بالکل برائے نام لکھا ہے ان کے رسم و رواج اور رفتار و گفتار کو بالکل نظر انداز کر دیا ہے نظریں کی دلچسپی کی خاطر مختلف تاریخوں اور سفر ناموں کی ورق گردانی سے یہ مضمون اخذ کر کے برج کیا جاتا ہے +

تبت میں اسلام کی اشاعت کی نسبت مختلف روایتیں ہیں۔ مگر اس میں کوئی شک نہیں کہ اسلام ابتدائی زمانہ ہی میں کشمیر اور چین کے صوبے کا راجان (جسکو اب یاناں کہتے ہیں) کے راستے سے تبت میں داخل ہو گیا تھا۔ کشمیر میں ۶۲۵ء میں بل شاہ نامی ایک بزرگ کی ہدایت و تلقین سے اسلام کی اشاعت شروع ہوئی اسی زمانہ میں کشمیر کے مسلمان سوداگروں کے ذریعہ سے جن کے قافلے تبت اور تبت کے راستے سے چین اور کاشغر جایا کرتے تھے تبت میں اسلام نے قدم رکھا +

چین میں اسلام کی اشاعت ۶۲۲ء سے پہلے شروع ہو گئی تھی چنانچہ چین میں سب سے پہلی مسجد ۶۲۲ء میں تعمیر ہوئی۔ سب سے پہلے مارکو پولو سیاح نے تیرہویں صدی عیسوی میں چین کے مسلمانوں کا حال جن سے وہ ایام سیاحت میں ملا تھا لکھا ہے۔ وہ ملک طزن کے حالات میں لکھتا ہے کہ اس ملک میں مسلمان اور بدھ پائے جاتے ہیں۔ اور ایک داخلی نسل کے لوگ بھی رہتے ہیں جو اعرابوں کے بھائی ہیں۔ یہ مسلمانوں اور بدھوں کی اولاد سے ہیں۔ انہیں بڑے بڑے سوداگروں اور بقبالہ دوسرے باشندوں کے زیادہ حسین ہیں اور اپنی عقل و ذہانت سے اعلا عہدوں پر پہنچ جاتے ہیں +

جیسا کہ مصنف صاحب نے لکھا ہے تبت کے مسلمان بھی ارغون کے نام سے موسوم ہیں۔ پس ظن غالب ہے کہ سب سے پہلے اسلام چین کے راستے سے تبت میں پہنچا۔ اور وہاں کے مسلمان اپنے چینی مورثوں کے خطاب یعنی ارغول کے نام سے موسوم ہوئے۔

مسلمان مورخوں نے عام طور سے تبت کو تبت بزرگ اور تبت خورد دو حصوں میں منقسم کیا ہے اور بعضوں نے بھوٹان کو بھی تبت میں شامل کر کے تین قسمیں لکھی ہیں۔ کشمیر کے مسلمان فرزندوں میں سب سے پہلے شاہ شہاب الدین نے سنہ ۱۳۴۵ھ کے قریب تبت خورد کے حاکم کو اپنا مطیع بنا یا۔ کشمیر کی تاریخِ اعلیٰ سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ اس بادشاہ کے عہد میں تبت کا شغریٰ اسلامی سلطنت کا باجگذا رہتا تھا۔ ۱۳۲۳ھ۔ ۱۳۲۶ھ میں کشمیر کے مشہور بادشاہ سلطان زمین العابدین نے اپنا لشکر بھیج کر تبت کو فتح کیا اور خود تبت کی زبان سیکھی۔ تبت کے راجہ نے دیگر تحائف کے ساتھ اپنے ملک کے دو کیا ب اور خوبصورت پرند جو راج ہنس کے نام سے موسوم تھے سلطان کے واسطے بھیجے۔ بادشاہ سب سے زیادہ ان پرندوں سے خوش ہوا۔ ان پرندوں کو سامنے جب دودھ اور پانی ملا کر رکھا جاتا تھا تو یہ اپنی چونچ سے دودھ کے اجزاء پانی کے اجزاء سے جدا کر کے نوش کرتے تھے اور آبِ خالص باقی رہ جاتا تھا۔ ۱۳۳۹ھ میں سلطان سعید خاں کا شغریٰ نے اپنے بیٹے سکندر خاں کو ۱۲۰۱ھ ہزار سوار کے ساتھ کشمیر پر حملہ کرنے کی واسطے تبت کے راستے سے روانہ کیا۔ ارنج نے تبت کو عبور کر کے کشمیر کو فتح کیا۔ ۱۳۵۵ھ میں مرزا حیدر ترک نے کشمیر پر

۵۔۔ ارغون ایک ترکی قوم کا نام ہے جس سے اس بیان کی تائید ہوتی ہے کہ تبت میں چین سے اسلام نے دم رکھا۔ (دیکھو بیارجمین صفحہ ۲۱) \*

قباض ہو کر تبت پر حملہ کیا۔ اور اُسے فتح کر کے تبت بزرگ پر ملاحسن اور تبت خورد پر ملاحعبہ اللہ کو حاکم مقرر کیا۔ لیکن مسلمان آپس کے کشت و خون کی وجہ سے زیادہ مہم تنگ اس ملک پر قابض نہ رہ سکے اور مرزا حیدر کی سلطنت کے خاتمہ کے ساتھ ہی تبت بھی قبضہ سے نکل گیا۔

۹۶۱ھ یعنی ابراہیم شاہ کی برائے نام سلطنت کے زمانہ میں مسلمانوں نے تبت کلاں پر پھر حملہ کیا۔ اس حملہ کی وجہ یہ ہوئی کہ تبت کلاں کے باشندے پر گنہ کھا اور بارہ سے کہ حبیب خان وغیرہ مسلمان سرداروں کی جاگیر میں تھے کچھ بکریاں ہانک لے گئے۔ اسپر جوش میں اگر ان لوگوں نے تبت پر حملہ کر دیا اور تبت کلاں کے کئی قلعے فتح کر کے وہاں کے قہر ہائے عالی میں داخل ہوئے۔ آخر کلا تبت کے رئیسوں نے تین چار سو گھوڑے پانچ سو تھان کپڑے کے اور بہت سے تحفہ تحایف دے کر ان لوگوں سے نجات حاصل کی۔ اس کے بعد ۹۶۲ھ میں غازی شاہ کے عہد حکومت میں پھر تبت پر حملہ ہوا اور فتح خان نام ایک مسلمان جنرل اہلسہ میں داخل ہو کر قیمتی پیش کش وصول کر لایا۔ بخوڑے دن بعد مسلمان پھر تبت میں داخل ہوئے۔ لیکن اس مرتبہ شکست کھائی اور کئی مشہور آدمی لڑائی میں مارے گئے۔ جب کشمیر سلطنت مغلیہ کے قبضہ میں آیا اور اس زمانہ میں تبت خورد میں جو کشمیر سے ملتی ہے بہت مسلمان آباد تھے۔ اگر اور جہانگیر کے عہد میں تبت خورد کا حاکم علی رائے نام ایک مسلمان تھا۔ اس بات کا پتہ نہیں چلتا کہ وہ یا اس کے مورث کب اور کس طرح اس ملک پر قابض ہوئے مگر جہاں تک خیال کیا جاتا ہے یہ شخص یا اس کے مورث کشمیر کی طوائف الملوکی کے زمانہ میں اس ملک پر قابض ہو گئے ہوں گے۔ جہانگیر کے عہد میں ہاشم خاں صوبہ دار کشمیر نے تبت خورد پر حملہ کیا مگر ناکام واپس ہونا پڑا۔ شاہ جہان کے عہد میں ظفر خان صوبہ دار کشمیر نے

۱۰۳۷ھ میں بادشاہ کے حکم سے آٹھ ہزار سوار اور پیادوں کی جمعیت کے ساتھ تبت خوردر پڑھائی کی۔ ابدال علی رائے کاڑا بیٹا اس وقت وہاں کا حاکم تھا جس کا چھوٹا بھائی آدم خان جہانگیر کے عہد سے شاہی وظیفہ خوار تھا۔ ظفر خان نے تبت خور کو فتح کر لیا لیکن برف کے خوف سے وہاں زیادہ قیام کرنا مناسب نہ سمجھا اور تبت کو ابدال کے ذیل محمد مراد کی سپرد کر کے ابدال کو اپنے ہمراہ لے گیا شاہ جہان کو ظفر خان کا بلا انتظام واپس آنا ناگوار گذرا۔ ۱۰۳۸ھ میں آدم خان کو منصب ہزاری ذات چہار صد سوار پر متاز فرما کر تبت خود کا حاکم مقرر کیا۔ تاج عبدالحمید لاہوری صاحب بادشاہ نامہ نے لکھا ہے کہ تبت خور میں اکیس پرگنوں اور ستائیس قلعے ہیں۔ زمین قابل زراعت بہت کم ہے پہاڑ بہت زیادہ ہیں صرف جو اور گبیوں پیدا ہوتے ہیں۔ میوؤں میں زرد آلو شفاؤ خور پوزہ اور انگوڑ بہت شہیرا اور عمدہ ہوتے ہیں۔ سیب بھی اچھا ہوتا ہے جو اندر اور باہر دونوں جانب سو رخ رنگ کا ہوتا ہے آمدنی قریب ایک لاکھ روپیہ کے ہے۔ سونے کی کان بھی موجود ہے مگر کم حاصل ہے۔

۱۰۳۹ھ میں آدم خان نے علی مردان خان صوبہ دار کشمیر کو لکھا کہ سنگی نجل تبت کلاں کے راجہ نے یورگ پر جو تبت خور میں شامل ہے قبضہ کر لیا ہے اور دوسرے محلات سرحدی پر بھی قابض ہونا چاہتا ہے۔ صوبہ دار مذکور نے اپنے ایک سردار حسین بیگ کو اس مہم پر روانہ کیا جس نے آدم خان کے ساتھ کرپو پہر کے قریب سنگی نجل سے مقابلہ کیا سنگی نجل تاب مقابلہ نہ لاسکا اور شکست کھا کر صلح کا ملتی ہوا۔ اور پیشکش شالی تہ پیش کرنے کا وعدہ کر کے اپنے ملک کو واپس گیا۔

۱۰۶۲ھ میں جب شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر کشمیر حیرت نظیر کی

سیر میں مصروف تھا۔ تبت کلاں کے راجہ نے اُس کی تشریف آوری کی خبر سنکر اپنے ایک سفیر کو ملک کے مخالف بلور۔ مشک۔ سنگ۔ یش۔ اور سُراگائے کی سفید عمدہ ہیں جسے کہ جو بالخصوص اسی ملک میں ہوتی ہیں۔ اور زیبائش کے لئے ہندوستان میں لایا جاتا ہے۔ ڈاکٹر برنی نے اپنے سفر نامہ میں اس سفارت کا حال لکھا ہے وہ لکھتا ہے کہ سنگ یش جو اس پیش کش میں آیا ہے خلاف معمول بہت بڑا قطعہ ہے اور اس وجہ سے بہت بیش قیمت ہے دربار مغلیہ میں یہ پتھر بڑی قیمت اور قدر پاتے ہیں۔ اس سفیر کے ساتھ تین چار سوار اور دس بارہ لمبے قد والے ڈبل پتلے پیادے تھے جن کے منہ پر جینیوں کی طرح ڈاڑھی کا کوئی کوئی بال صرف نام ہی کو تھا اور ایک طرح کی غریبانہ ٹوپیاں سرخ رنگ کی پہنے ہوئے تھے ان کے باقی لباس کی شان و شوکت بھی ان ٹوپوں ہی سے خیال فرمالیجئے اور مجھے یاد ہے کہ ان میں سے صرف چار پانچ آدمی تو تلوار یا تدمسے ہوئے تھے باقیوں کے پاس لٹھیاں تک نہ تھیں اور بالکل خالی ہاتھ سفیر کے پیچھے پیچھے چلا کرتے تھے۔ الغرض اس سفیر نے اپنے آقا کی طرف سے بادشاہ کے ساتھ عہد و پیمان کیا کہ دارالریاست تبت میں ایک مسجد تعمیر کرائی جائیگی اور سکہ کے ایک طرف اورنگ زیب کا نام منقوش ہوگا اور ایک رقم سالانہ بطور خرچ کے بھیجی جائیگی۔ اس سفیر کے ساتھیوں میں ایک طبیب تھا جو لاسہ کا رہنے والا اور فرقہ لاماسے تھا (لامالہاہہ میں ہندوستان کے برہمنوں کی طرح مذہبی امور میں مقتدی اور رہنما سمجھے جاتے ہیں) مسئلہ تاسخ پر اس شخص کو سخت اعتقاد تھا۔ جس کی نسبت اُس نے عجیب و غریب حکایتیں سنائیں جن میں ایک یہ تھی۔ کہ ایک مرتبہ جب بڑا لاماہت

بڑھا ہو گیا۔ اور اُس کی موت کا وقت آپہنچا تو اُس نے ایک مجلس جمع کی اور ارشاد کیا کہ میری ریح ایک نو مولود بچے کے قالب میں حلول کرے گی چنانچہ اُس بچے کو جس کی نسبت اُس نے یہ خبر دی تھی بڑے غور اور خیریت سے پالا۔ اور جب وہ چھ سات برس کا ہو گیا تو بہت سا مختلف قسم کا ایسا خانہ داری اور پوشائیں وغیرہ امتحاناً اُس کے روبرو رکھی گئیں اور اُس نے ازراہ فراست اپنے اور بیگمے اسباب میں فوراً امتیاز کر دیا +

مترجم سفر نامہ ڈاکٹر برنیر نے بہ حوالہ عالمگیر نامہ لکھا ہے کہ اورنگزیب نے کشمیر سے واپس آکر سیف خان صوبہ دار کشمیر کے پاس دلدن نخل بڑی تبت کے راجہ کے نام ایک فرمان اس مضمون کا لکھ کر روانہ کیا کہ اگر تم ہماری اطاعت اختیار کر کے اپنے ملک میں ہمارا سکھ اور خطبہ جاری کر دو۔ اور مسجد بنوا کر شاعرِ اسلام کو رواج دو تو تمہارا ملک و مال بجالا رہے گا۔ ورنہ فوج کشی کی جاوے گی۔ چنانچہ یہ فرمان ہدایت شاہی کے مطابق محمد تیسفیع نام ایک بادشاہی سردار کے ہاتھ کشمیر سے روانہ کیا گیا۔ جس کا دلدن نخل نے تین میل تک استقبال کیا اور بڑے اعزاز و اکرام کے ساتھ فرمان کو اپنے سر پر رکھا اور فرستادگان شاہی کی بہت خاطر و مدارات کی۔ اُس کے دوسرے روز جو جمعہ کا دن تھا ایک بڑے مجمع میں بادشاہ کے نام کا خطبہ پڑھا گیا۔ اور جب محی الدین محمد اورنگ زیب غازی کا نام خطبہ میں لیا گیا تو خطیب کے سر پر بہت سا سونا۔ چاندی لٹایا گیا اور خطبہ کے بعد مسجد کی بنیاد رکھی گئی۔ اور بہت سے سونے چاندی پر بادشاہ کا سکھ لگایا گیا۔ اس کے بعد ایک عریضہ جس سے بہت سے عجز و نیاز اور اہوائی عہد کے وعدے تھے معہ ایک طلائی کچی کے جو بطور علامت سپردگی اپنی

زمانیت کے تعنی اور ایک ہزار اشرفی اور دو ہزار روپیہ جس پر بادشاہ کا سکہ لگا تھا اور اپنے ملک کے تحائف حوالہ کر کے محمد شفیع کو خصت کیا \*

عالمگیر نامہ میں ملک کے حدود کا حال اس طرح پر درج ہے کہ اس کا الچھ مہینہ کے راستہ سے زیادہ اور عرض بعض مقامات میں دو مہینہ کا اور بعض جگہ ایک مہینہ کا راستہ ہے۔ اس کے مغرب میں کشمیر۔ کاپیوں۔ سرینگر۔ ہار اور بنگالہ اور مشرق میں ملک ارژنگ اور خطا اور شمال روہت خور دہاک شفا اور تمام مغوستان اور جنوب روہت تپ چاق ہے۔ راجہ کی میں بارہ ہزار سوار اور بہت سے پیادہ ہیں \*

عالمگیر کے زمانہ میں چھوٹی تبت پر جس کا دار الحکومت اسکردو تھا فرماؤ خان فرمانروا اور سلطنت مغلیہ کا باجگزار تھا۔ یہ بذات خاص بادشاہت میں نذر لے کر کشمیر میں حاضر ہوا تھا۔ اُس نے نواب دہلہ خان پر خارجہ سے بیان کیا کہ میرے ملک میں برف کی کثرت کی وجہ سے نہایت تپ سے جاڑا پڑتا ہے اور اس ملک کے باشندے پہلے بت پرست ہیں اب اکثر مسلمان ہو گئے ہیں ملک کے بعض اضلاع میں عمدہ عمدہ سے ہوتے ہیں خصوصاً خرپوزہ نہایت عمدہ کئی قسم کا ہوتا ہے۔ بلور رشک اور ایشیا پیدا ہوتی ہیں۔ بڑی تبت میری ریاست کی حد مشرقی ہے \* عرض قریب نوے یا ایک سو بیس میل کے ہے \*

پروفیسر آر نلڈ اپنی مشہور کتاب پرچنگ آف اسلام (اشاعت اسلام) میں کہتے ہیں کہ تبت کے گوشہ شمال و مشرق میں بدھ مذہب کے لوگوں میں تبلیغ ہوتا جاتا ہے اور کشمیر کے مسلمان تاجروں نے تبت خاص میں بھی اسلام لے دیا ہے۔ ملک کے تمام بڑے شہروں میں کشمیری سوداگروں کے گروہ

آباد ہیں۔ لہا سہ میں جو تبت کا پایہ تخت ہے ان سوداگروں کی تعداد ایک ہزار کے قریب ہے۔ یہ لوگ تبت کی عورتوں سے نکاح کرتے ہیں جو اکثر اپنے شوہروں کا مذہب اختیار کر لیتی ہیں۔ مسلمان اپنی مذہب کی اشاعت کے لئے حکام تبت کے خوف سے کوئی علانیہ کوشش نہیں کر سکتے۔ ان واقعات سے خود لہا سہ کے لاماگرد نے مجھ کو اطلاع دی ہے +

ایک مسلمان سیاح نے جو تجارت پیشہ ہے اور کئی مرتبہ کل تبت خاص اور لہا سہ کی سیر کر چکا ہے بیان کیا کہ تبت خور دیں جو اب لدآخ کے نام سے شہور اور کشمیر کے متعلق ہے۔ مسلمانوں کی آبادی بہت کثرت سے ہے ارغون کے علاوہ جو دو غلے نسل سے ہیں اور یہی مسلمان آباد ہیں ملک میں بہت سی مسجدیں موجود ہیں۔ اکثر مسلمان تجارت پیشہ بھی ہیں۔ اور عام طور سے تبتوں سے زیادہ وجہ اور طاقتور اور مہذب ہیں۔ خاص تبت میں بھی بہت سے مسلمان آباد ہیں۔ جو زیادہ تجارت کا پیشہ کرتے ہیں۔ ارغون کا ترجمہ دو غلا ہے تبت میں اگر کسی ارغون مسلمان کو ارغون کے نام سے مخاطب کیا جائے تو وہ بہت برا مانتا ہے بلکہ اکثر لڑنے کو تیار ہو جاتا ہے + ۱۲

# اشتہار مخزن

یہ رسالہ دہلی سے ہر انگریزی مہینے میں ایک بار شائع ہوتا ہے۔ ملک کے مستند اور مشہور نامہ نگاروں کے علاوہ ایک معتدل تعداد نئے اور جوان اہل قلم کی اسکی اعانت میں مصروف ہے۔ یونیورسٹیوں کے ڈگری پاسے ہو صحابہ جنکو اب تک ملکی علم ادب کے غافل سمجھا جاتا تھا شوق سے اسکے بنا نہیں شریک ہو رہے ہیں۔ مضامین عام دلچسپی کے ہوتے ہیں اور کوشش کی جاتی ہے کہ ہر قسم کے مذاق کے لیے کچھ نہ کچھ ہر پچے میں موجود ہو۔ اور تقریباً ہر پچے میں مشاہیر اور دیگر اہل قلم کی ولایتی عکسی تصاویر بھی شائع ہوتی ہیں۔ یہ پڑھ دیکھنے کی چیز ہے۔ فی الحال ۴۴ کے ٹکٹ بھیج کر مینجنگرین دہلی سے نمونہ طلب فرمائیے۔ رسالہ کا حجم ۱۸+۲۲ کی تقطیع پر مع سترق ۶۶ صفحے کا ہے۔ اس حجم کا کوئی اور رسالہ ایسی لکھائی اور چھپائی کے ساتھ ان قیمتوں پر نہیں دیا جاتا۔ قیمت پیشگی \*۔

قیمت سالانہ (مع وصولہ) کاغذ قسم اول کاغذ قسم دوم کاغذ قسم سوم  
۶۰ ۶۰ ۶۰

# انتخاب مخزن (۱۸)

یہ کون نہیں جانتا کہ آٹھ سال کی سیم کو نشوں سے روح روانِ اُردو یا ملک کی نہایت ہی مقبول زبان کے جانے ہوئے پچانے ہوئے بلکہ مانے ہوئے بہترین سالہ مخزن نے دلوں پر اپنے سکتے بٹھائے ہیں۔ زبانوں پر اسکے لفظ ہیں۔ اور اکثر اوقات خیالات میں بھی اسی کے مضامین کی جھلکیاں پائی جاتی ہیں۔ لیکن انتخاب مخزن تھیں دیکھی کا مصداق ہے۔ اس انتخاب میں رتیں کالی ہوئی ہیں۔ دن بیتے ہیں اور اس انتخاب کو مخزن کی گزشتہ نو جلدوں سے عطر کی روح کی طرح کہیں چکر کتاب کی صورت میں سن نہیں پورے تین سو صفحے رنگے ہیں۔ یہ نادر کتاب ان گناہ روزگار مشہور اہل قلم اور شعر اور علم و تعلیم یافتہ نوجوانوں کے مغربی و مشرقی خیالات کا لب لباب ہے جسے ملک کے ہر حصے میں سے ہر مذاق کیوافن پھولیاں پھولیاں کر کے بھرا ہے۔ انتخاب مخزن میں انجمن ترقی اُردو کے اراکین یعنی عالیجناب ڈاکٹر نذیر احمد صاحب شمس العلماء مولانا شبلی و مولانا حالی نواب محسن الملک نواب قار الملک اور مسٹر آرنلڈ کی ولایتی چھپی ہوئی تصویریں بھی ہیں۔ اس نوبل کتاب کی قیمت صرف ایک روپیہ آٹھ آنہ (پندرہ) ہے علاوہ محصول لاک +

یہ قیمت گو کتاب کی مجموعی حالت اور اسکی شان کے لحاظ سے واقعی بہت ہی کم ہے۔ لیکن مہمانِ وطن کے لینے ہم ایک اور بھی موقع دیتے ہیں یعنی مخزن کے نئے خریدار صرف آٹھ آنہ (۱۸) میں علاوہ محصول لاک اس پیش ہانچینہ کو حاصل کر سکتے ہیں اگر سچے لفظوں میں کوئی اتر ہے تو اس سے بہتر موقع نہ آپ پاسکیں گے اور نہ ہم بتا سکیں گے +

منیجر مخزن دہلی سے طلب فرمائیں





# ابو مسلم خراسانی

ایک عجیب دلکش تہذیب ناریخی ناول ہے ناول کے پیرائے میں ابو مسلم خراسانی (جو ایک نالیٹ نامور تہذیب و رعیتا۔ یہ جانڈان کا بانی گذرا ہے) کی سوانح عمری عمدہ تاریخی حالات کے اس قدر درناک اور دلچسپ پیرائے میں لکھی ہے کہ پتھر سے پتھر دل بھی گل جاسے۔ اور پھر دلچسپی کا یہ عالم کہ بغیر ختم کئے آپ کتاب چھوڑ نہیں سکتے۔ بڑی حسرت خیز کہانی ہے۔ عربی سے نہایت فصاحت اور سلاست سے اردو میں ترجمہ کیا گیا ہے۔ حجم قریباً ۴۰۰ صفحہ قیمت ۴ روپے علاوہ ڈاک

# خوابِ ہستی

مصنفہ پروفیسر محمد رحیمہ ایم۔ اے علی گڑھ کالج۔ کہنے کو تو یہ ناول ہے مگر یقیناً جدید تہذیب کا سچا موقع بلکہ سحر و جادو کا آئینہ اور طلباء کی تعلیمی خانگی اور خلوتی زندگی کا بانسکوپ ہے جس میں روزمرہ کے واقعات و کوائف کی چلتی پھرتی تصویریں نظر آتی ہیں۔ اس قسم کا ناول آجنگ اردو زبان میں لکھا نہیں گیا۔ فسانہ ہی کے متعلق تین ہفت ٹون تصویریں کتاب کی زینت کو دو بالا کرتی ہیں۔ پہلا ایڈیشن ہاتھوں ہاتھ نکل گیا۔ اب دوسرا ایڈیشن تیار ہوا ہے۔ در خواستیں جلد آتی چاہئیں۔ ورنہ تیسرے ایڈیشن کا انتظار کرنا پڑے گا۔ حجم ڈھائی سو صفحہ کے قریب۔ قیمت ۴ روپے علاوہ مصروفہ ڈاک +

میدنجر مخزن انجمنی دہلی سے طلب فرمائیے



۱۔ سن

۹/۵۶۱۵

آخری درج شدہ تاریخ پر یہ کتاب مستعار  
لی گئی تھی مقررہ مدت سے زیادہ رکھنے کی  
صورت میں ایک آنہ یومیہ دیرانہ لیا جائے گا۔

---

کتابت

۱- اگر میں نے اس کتاب کو لکھا ہے تو اس کا  
مطلب ہے کہ اس کتاب کو لکھنے سے پہلے  
میں نے اس کتاب کو لکھنے سے پہلے  
میں نے اس کتاب کو لکھنے سے پہلے

۲- اگر میں نے اس کتاب کو لکھا ہے تو اس کا  
مطلب ہے کہ اس کتاب کو لکھنے سے پہلے  
میں نے اس کتاب کو لکھنے سے پہلے  
میں نے اس کتاب کو لکھنے سے پہلے

۳- اگر میں نے اس کتاب کو لکھا ہے تو اس کا  
مطلب ہے کہ اس کتاب کو لکھنے سے پہلے  
میں نے اس کتاب کو لکھنے سے پہلے  
میں نے اس کتاب کو لکھنے سے پہلے

۴- اگر میں نے اس کتاب کو لکھا ہے تو اس کا  
مطلب ہے کہ اس کتاب کو لکھنے سے پہلے  
میں نے اس کتاب کو لکھنے سے پہلے  
میں نے اس کتاب کو لکھنے سے پہلے







